جلد ۸ جولائی ۱۹۶۷ء شمارہ ۷

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جولائی ۱۹۶۷ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ☆ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

(ناشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ÷ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ÷ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی۔ ربوہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد　ماہنامہ انصار اللہ ربوہ　شمارہ

جولائی ۱۹۶۷ء

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا ایک عظیم الشان کارنامہ

وقفِ جدید کی تحریک اور اس کی بنیادی اہمیت

سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رفیع الشان کارناموں میں سے یہ کارنامہ بھی اپنی جگہ نہایت رفیع الشان اور انقلاب انگیز ہے کہ آپ نے خدائی منشاء اور اذن کے ماتحت ۱۹۵۷ء میں اندرونِ ملک تعلیم و تربیت، خدمتِ خلق اور رشد و اصلاح کے یکسر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی جیسا کہ احباب جانتے ہیں یہ نیا نظام "وقفِ جدید" کے نام سے موسوم ہے اس نئے نظام کے قیام یعنی ایک نئی زمین اور نئے آسمان کی تعمیر کی غرض دراصل امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دیرینہ ارادہ اور خواہش کی زیادہ وسیع اور زیادہ مستحکم بنیادوں پر تکمیل کرنا تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعثت کے آغاز میں ہی فرمایا تھا :-

"اِس عاجز کا ارادہ ہے کہ اشاعتِ دینِ اسلام کے لئے ایک احسن انتظام کیا جائے کہ ممالکِ ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر

مقرر رہوں اور بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں تا حجتِ اسلام تمام
رُوئے زمین پر پُوری ہو لیکن اس ضعف اور قلت کی حالت میں ابھی
یہ ارادہ کامل طور پر انجام پذیر نہیں ہو سکتا" (فتح اسلام)

حضور علیہ السلام کے اس مختصر لیکن نہایت درجہ اہم ارشاد میں دو بنیادی باتوں کا ذکر ہے :-

اوّل یہ کہ ممالکِ ہند یعنی ہندوستان اور پاکستان میں ہر جگہ اور ہر مقام پر مرکز کی طرف سے واعظ اور مناظر مقرر ہوں جو بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں۔

دوم یہ کہ ممالکِ ہند میں اشاعتِ دینِ اسلام کے اس احسن انتظام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حجتِ اسلام تمام رُوئے زمین پر پوری ہوگی یعنی اسلام صرف ممالکِ ہند میں ہی نہیں بلکہ پُورے کُرّۂ ارض پر غالب آجائے گا۔

یہ وہ دو ننھے ننھے بیج تھے جن سے آگے چل کر حسن و احسان میں مسیحِ پاک کے نظیر حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موعودہ دَور میں بحمد اللہ تحریکِ جدید اور وقفِ جدید کے دو تناور اور سرسبز و شاداب درخت نکلے۔ آج اِن درختوں میں سے ایک ممالکِ ہند سے باہر مشرق و مغرب میں پھیل کر اسود و احمر کو اپنی عافیت بخش ٹھنڈی چھاؤں تلے جمع کر رہا ہے۔ اور دوسرا ممالکِ ہند میں پروان چڑھ کر یہاں کے روحانی ویرانے کو سرسبزی و شادابی سے ہمکنار کرنے کا موجب ثابت ہو رہا ہے۔

یہ دو تناور درخت سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو عظیم الشان کارناموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن کی وجہ سے ممالکِ ہند کی قومیں اور بیرونی دنیا کی اقوام کیا گورے اور کیا کالے کیا زرد اور کیا گندم گوں سب رہتی دنیا تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حسن و احسان میں آپ کے نظیر حضرت المصلح الموعودؓ کے ممنونِ احسان رہیں گے اور امام الاصفیاء والاتقیاء، افضل الرسل، مولائے کل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضورؐ کے اِن دونوں روحانی فرزندوں پر بھی درود اور سلام بھیجتے رہیں گے (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد)

تحریکِ جدید کے تناور درخت کی سرسبزی و شادابی اور اس کے سایہ تلے بسیرا کرنے والے اسود واحمر کا حال اکثر احباب جماعت کے سامنے آتا رہتا ہے۔ فی الوقت ہم وقفِ جدید کے شجرۂ طیبہ

کے متعلق کہ وہ بھی اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا کا مصداق ہے چند باتیں عرض کرتے ہیں تاکہ اس کی عظمت و اہمیت اور ہمہ گیر افادیت کا احباب کو احساس ہو سکے۔

جب سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کی تکمیل میں اقوامِ شرق و غرب تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے تحریک جدید کے وسیع و عریض نظام کو مضبوطی و استحکام سے ہمکنار فرما چکے تو آپ نے ۱۹۵۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس دوسرے ارادہ کی ایک نئے رنگ میں تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے کہ ممالکِ ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ اور مناظر مقرر ہوں جو بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں۔ چنانچہ اس غرض کے پیشِ نظر حضور رضی اللہ عنہ نے خدائی القاء کے ماتحت وقفِ جدید کا نظام قائم فرمایا۔ حضور رضی اللہ عنہ نے اس کی غرض و غایت اور غلبۂ اسلام کے ضمن میں اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:-

"میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف (یعنی وقفِ جدید) کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اُس کو اِس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے اور چاروں طرف رُشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا یہاں تک کہ پنجاب کا کوئی گوشہ اور کوئی مقام ایسا نہ رہے جہاں رُشد و اصلاح کی کوئی شاخ نہ ہو۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دَورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اِس نئی سکیم (یعنی وقفِ جدید) پر عمل کیا جائے اور تمام پنجاب بلکہ کراچی سے لے کر پشاور تک ہر جگہ ایسے آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو اُس علاقہ کے لوگوں کے اندر رہیں اور ایسے مفید کام کریں کہ لوگ اُن سے متاثر ہوں۔ وہ اُنہیں پڑھائیں بھی اور رُشد و اصلاح کا کام بھی کریں۔ اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے۔ کُنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہا جال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اُس میں

آجاتی ہیں۔ ہم ابھی تک کنڈیاں ڈالتے رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ میں آتی رہی ہے لیکن اب مہا جال ڈالنے کی ضرورت ہے اور اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے گی ..... پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلد اس وقف کی طرف توجہ کرے اور اپنے آپ کو ثواب کا مستحق بنائے۔ یہ مفت کا ثواب ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔ اگر تم اسے نہیں لوگے تو یہ تمہاری بجائے دوسروں کو دیدیا جائے گا۔"

(الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۵۸ء)

نیز حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احباب کو وقفِ جدید میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی نہایت پُرزور تحریک کرتے ہوئے انہیں تنبیہہ کے رنگ میں فرمایا :-

"یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں، کپڑے بیچنے پڑیں میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا، اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے۔ خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو الگ کر دے گا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اُتارے گا۔ پس میں اتمامِ حجّت کے لئے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں تاکہ مالی امداد کی طرف بھی لوگوں کو توجہ ہو۔" (الفضل ۷ر جنوری ۱۹۵۸ء)

ہمارے لئے غور کا مقام یہ ہے کہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقفِ جدید کی اہمیت

واضح کرتے ہوئے یہ کیوں فرمایا کہ خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں، کپڑے بیچنے پڑیں میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے لئے وقفِ جدید کی آسمانی تحریک کو ہر قیمت پر اور ہر حال میں کامیاب بنانا ضروری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُس ارشاد کی رُو سے جو تحریکِ جدید اور وقفِ جدید کے حق میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور جو ہم سطورِ بالا میں درج کر آئے ہیں خود تحریک جدید کے مقصد کا بہ تمام و کمال پورا ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ وقفِ جدید کے نظام کو بھی مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے بموجب وقفِ جدید اور تحریکِ جدید لازم و ملزوم ہیں۔ ہر چند کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ تحریکیں ہیں اور ان کے حلقہ ہائے کار الگ الگ ہیں تاہم انہیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "ممالکِ ہند میں ہر جگہ ہماری طرف سے واعظ و مناظر مقرر ہوں اور بندگانِ خدا کو دعوتِ حق کریں"۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اگلے ہی فقرہ میں فرمایا "تا حجتِ اسلام تمام رُوئے زمین پر پوری ہو"۔ یہ نہیں فرمایا "تا حجتِ اسلام تمام رُوئے ہند پر پوری ہو" بلکہ فرمایا یہ کہ "تا حجتِ اسلام تمام رُوئے زمین پر پوری ہو"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کی کامیابی کو اس امر سے وابستہ ٹھہرایا ہے کہ ساتھ کے ساتھ برصغیر میں بھی اسلام غالب آئے۔ یعنی جب برصغیر کا کونہ کونہ اسلام کے نور سے منور ہو جائے گا تو لازماً اس سے بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کی مہم اور جد و جہد کو تقویت پہنچے گی اور وہاں بھی اس کے غلبہ کی راہ از خود ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ پس تحریکِ جدید کو بیرونی دنیا میں غلبۂ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے مثمر ثمرات بنانے کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ساتھ کے ساتھ وقفِ جدید کو بھی مضبوط سے مضبوط تر بنا کر برصغیر کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک رشد و اصلاح کے مراکز کا ایک جال پھیلا دیا جائے، ایک ایسا جال جو مہاجال کا کام دیتے ہوئے برصغیر میں بہت جلد اسلام کو غالب کر دے۔ تحریکِ جدید اور وقفِ جدید دونوں کا شانہ بشانہ ترقی کرنا اور مضبوط سے مضبوط تر ہونا ضروری ہے۔

الغرض حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ایک نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے کہ حضورؓ نے برِّ صغیر میں اور مشرق سے غرب تک پھیلے ہوئے بیرونی ممالک میں پیغامِ حق کی اشاعت کی غرض سے وقفِ جدید اور تحریکِ جدید کے دو علیحدہ علیحدہ نظام قائم کر کے جماعت کو اِن دونوں تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے پکارا اور اِس طرح نہ صرف برِّ صغیر میں بلکہ کیا یورپ اور کیا ایشیا، کیا افریقہ اور کیا امریکہ دُنیا کے ہر حصہ میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دکھایا۔

ہر چند کہ بعض احبابِ جماعت نے وقفِ جدید کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا اور اس کی طرف تاحال وہ توجہ نہیں دی جو اُنہیں دینی چاہیئے تھی تاہم وقفِ جدید کے تحت ملک کے طول و عرض میں جو کام ہو رہا ہے وہ کچھ کم مہتم بالشان نہیں ہے۔ وقفِ جدید کے قریباً یک صد مراکز اور ان میں کام کرنے والے ایثار پیشہ معلّمین کی انتھک محنت اور بے لوث خدمت کی وجہ سے جماعتوں میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے اور پیغامِ حق کی اشاعت کے نئے نئے راستے اور میدان کھُلنے شروع ہو گئے ہیں۔ ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں نئی بیعتیں موصول ہو رہی ہیں اور بالخصوص مشرقی پاکستان کے ہندوؤں اور سندھ کی اچھوت اقوام میں ایک نئی حرکت کے آثار نمایاں سے نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ احمدیت کی طرف ان کا رجحان دن بدن بڑھ رہا ہے۔ سندھ کے بعض علاقوں میں جہاں اچھوت اقوام آباد ہیں ان کے گھرانے کے گھرانے احمدیت قبول کر چکے ہیں اور محترم ناظم صاحب ارشاد وقفِ جدید کی سالِ گزشتہ کی مطبوعہ سالانہ رپورٹ کے بموجب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض اچھوت اقوام اسلام کے اِس قدر قریب آ چکی ہیں کہ بعید نہیں کہ ہم جلد اس علاقہ میں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا نظارہ بچشمِ خود دیکھ لیں۔

ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم وقفِ جدید کی اہمیت کو جو بلاشبہ ایک آسمانی تحریک ہے پہچانیں اور حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے اُس بنیادی ارشاد کی روشنی میں جو ہم سطورِ بالا میں درج کر آئے ہیں اِس حقیقت سے پُورے طور پر آگاہ ہوں کہ تحریکِ جدید اور وقفِ جدید دونوں کو یکساں طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنانا ضروری ہے۔ دونوں کی متوازن اور ہمہ جہتی ترقی اور مضبوطی کے بغیر ہم دُنیا بھر میں غلبۂ اسلام کے دن کو جسے دیکھنے کے لئے ہماری رُوحیں بے چین اور دل تڑپ رہے ہیں قریب سے قریب تر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وقفِ جدید کے کام کو سیدنا

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منشائے مبارک کے مطابق وسیع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک تو جماعت ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں مخلص اور ایثار پیشہ معلمین مہیا کرے، دوسرے وقفِ جدید کے مالی جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ اِنہی دو بنیادی ضرورتوں کی طرف سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ نے احبابِ جماعت کو اپنے خطبات میں توجہ دلائی ہے۔ ہم حضور ایدہ اللہ کے ایک ارشاد پر ہی اپنی اِن گزارشات کو ختم کرتے ہیں۔ حضور پُر نور فرماتے ہیں:-

"اُس وقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نظر آ رہا تھا کہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہر جماعت میں کم از کم ایک معلّم ضرور بٹھا دیا جائے لیکن چونکہ حضورؓ ایک لمبا عرصہ علیل رہے اور اِس عرصہ میں جماعت حضورؓ کے خطبات سے محروم رہی اور چونکہ جب تک بار بار جگایا نہ جاتا رہے انسان عادتاً کمزوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے اِس لئے وقفِ جدید کی اہمیت اور افادیت آہستہ آہستہ جماعت کے افراد کی نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور اِس تحریک کا وہ نتیجہ نہ نکلا جو میرے نزدیک نو سالوں میں نکلنا چاہیئے تھا اور اس کی ذمہ داری ساری جماعت پر بحیثیت جماعت عائد ہوتی ہے ..... پس پہلی بات تو یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ واقفین اِس تحریک میں شمولیت کے لئے اپنا نام پیش کریں ..... مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت اِس طرف توجہ دے تو ہر سال پہلے سال کی نسبت دُگنی تعداد میں واقف آ سکتے ہیں .....

پھر ہمیں کم از کم دو سوا دو لاکھ روپے کی ضرورت ہو گی۔ اور اِس قدر رقم ہمیں ملنی چاہیئے تا وہ عظیم اور نہایت ہی ضروری اور مفید کام جو وقفِ جدید کے سپرد کیا گیا ہے کما حقّہٗ، پُورا کیا جا سکے ..... اِس کے لئے ایک تو یہ ہونا چاہیئے کہ جو دوست اِس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں وہ اپنے وعدوں پر دوبارہ غور کریں اور جماعت کی ضرورت

کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں اضافہ کریں اور پھر دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان وعدوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے وہ دوست جنہوں نے ابھی تک وقفِ جدید کی مالی تحریک میں حصہ نہیں لیا انہیں اس تحریک کی اہمیت ذہن نشین کرنی چاہیئے اور انہیں اس میں شامل ہونا چاہیئے۔

تیسرے مَیں آج احمدی بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) سے اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا اور اُس کے رسولؐ کے بچو! اُٹھو اور آگے بڑھو اور تمہارے بڑوں کی غفلت کے نتیجہ میں وقفِ جدید کے کام میں جو رخنہ پڑ گیا ہے اُسے پُر کر دو اور اُس کمزوری کو دُور کر دو جو اس تحریک کے کام میں واقع ہوگئی ہے۔ ......

اے احمدیت کے عزیز بچو! اُٹھو اور اپنے ماں باپ کے پیچھے پڑ جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہمیں مفت میں ثواب مل رہا ہے آپ ہمیں اس سے کیوں محروم کر رہے ہیں۔ آپ ایک اٹھنّی ماہوار ہمیں دیں کہ ہم اُس فوج میں شامل ہو جائیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ دلائل و براہین اور قربانی و ایثار اور فدائیت اور صدق و صفا کے ذریعے اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرے گی۔ تم اپنی زندگی میں ثواب لوٹتے رہے ہو اور ہم بچّے اِس سے محروم رہے ہیں۔ آج ثواب حاصل کرنے کا

ایک دروازہ ہمارے لئے کھولا گیا ہے۔ ہمیں چند پیسے دو کہ ہم اس دروازہ میں سے داخل ہو کر ثواب حاصل کریں اور خدا تعالیٰ کی فوج کے ننھے ننھے سپاہی بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ر اکتوبر ۱۹۶۶ء مطبوعہ الفضل ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں وقفِ جدید کی بنیادی اہمیت کو سمجھنے اور اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا وقفِ جدید کے مضبوط ہونے سے حجتِ اسلام تمام روئے زمین پر پوری ہو اور اسلام نہ صرف برصغیر میں بلکہ تمام دنیا میں غالب آکر کرۂ ارض کو حق و راستی اور امن و سلامتی سے بھر دے۔ آمین ثم آمین +

(مسعود احمد دہلوی)

دین کو دُنیا پر مقدّم کرنیوالے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ دین کے ساتھ دُنیا جمع نہیں ہوسکتی۔ ہاں خدمتگار کے طور پر تو بے شک ہوسکتی ہے لیکن بطور شریک کے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ کبھی نہیں سُنا گیا کہ جس کا تعلق صافی اللہ تعالیٰ سے ہو وہ ٹکڑے مانگتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ تو اُس کی اولاد پر بھی رحم کرتا ہے ..... ہماری جماعت میں وہی شریک سمجھنے چاہئیں جو بیعت کے موافق دین کو دُنیا پر مقدم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس عہد کی رعایت رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو طاقت دے دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ہفتم صـ۲۱۱)

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

دنیا میں ہمارے غالب آنے کے ہتھیار

استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، عظمتِ الٰہی کو مدّنظر رکھنا، نمازوں کا التزام

امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۶ راپریل ۱۹۰۳ء کو مجلس میں بیعت کی حقیقت اور اس کی اصل غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"بیعت میں انسان زبان کے ساتھ گناہ سے توبہ کا اقرار کرتا ہے مگر اس طرح سے اس کا اقرار جائز نہیں ہوتا جب تک دل سے وہ اقرار نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ جب سچے دل سے توبہ کی جاتی ہے تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی میں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اس اقرار کو جائز قرار دیتا ہے جو کہ سچے دل سے توبہ کرنے والا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا اقرار نہ ہوتا تو پھر توبہ کا منظور ہونا ایک مشکل امر تھا۔ سچے دل سے جو اقرار کیا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر خدا تعالیٰ بھی اپنے تمام وعدے پورے کرتا ہے جو اس نے توبہ کرنے والوں کے ساتھ کئے ہیں۔ اور اُسی وقت سے ایک نور کی تجلّی اس کے دل میں شروع ہو جاتی ہے جب انسان یہ اقرار کرتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے بچوں گا اور دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اگرچہ مجھے اپنے بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور سب دوستوں سے قطع تعلق ہی کرنا پڑے مگر میں خدا تعالیٰ کو سب سے مقدم رکھوں گا اور اسی کے لئے اپنے تعلقات چھوڑتا ہوں۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کیونکہ انہیں کی توبہ دلی توبہ ہوتی ہے۔

پھر جو لوگ دل سے دُعا کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ آسمان، زمین اور سب اشیاء کا خالق ہے ویسے ہی وہ توبہ کا بھی خالق ہے۔ اور اگر اس نے توبہ کو قبول کرنا نہ ہوتا

تو وہ اُسے پیدا ہی نہ کرتا۔ گناہ سے توبہ کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں۔ سچی توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ سے بڑے بڑے انعامات پاتا ہے۔ یہ اولیاء، قطب، غوث کے مراتب اسی واسطے لوگوں کو ملے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے تھے اور خدا تعالیٰ سے ان کا پاک تعلق تھا اس واسطے ہرگز نہیں ہے کہ وہ منطق فلسفہ اور دیگر علومِ طبعیہ وغیرہ میں ماہر تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ اُن بندوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے۔

اس شرط سے دین کو کبھی قبول نہ کرنا چاہیئے کہ مَیں مالدار ہو جاؤں گا۔ مجھے فلاں عہدہ مل جاویگا۔ یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحتِ الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں، بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر ان سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے۔ اگر بادشاہ ہو جاوے گا تو کیا موت سے بچ جاوے گا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے بادشاہی میں بھی مرنا ہے۔ اس لئے سچی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہرگز نہیں ہے کہ جو اُس کے حضور عاجزی سے گر پڑے وہ اُسے خائب و خاسر کرے اور ذلت کی موت دیوے۔ جو اس کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فلاں شخص کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق تھا اور پھر وہ نامراد رہا۔ خدا تعالیٰ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش اس کے حضور پیش نہ کرے اور خالص ہو کر اُس کی طرف جُھک جاوے۔ جو اس طرح جُھکتا ہے اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ہر ایک مشکل سے خود بخود اس کے واسطے راہ نکل آتی ہے۔ جیسے کہ وہ خود وعدہ فرماتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ اس جگہ رزق سے مراد روٹی وغیرہ نہیں بلکہ عزت، علم وغیرہ سب باتیں جن کی انسان کو ضرورت ہے اس میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ سے جو ذرہ بھر بھی تعلق رکھتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ ہمارے ملک ہندوستان میں نظام الدین صاحب اور قطب الدین صاحب اولیاء اللہ کی جو عزت کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ سے اُن کا سچا تعلق تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو تمام انسانوں کی طرح وہ بھی زمینوں میں ہل چلاتے، معمولی کام کرتے مگر خدا تعالیٰ کے سچے تعلق کی وجہ سے لوگ اُن کی مٹی کی بھی عزت کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی ہو جاتا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ ان کو نیست و نابود کریں مگر

وہ روز بروز ترقی پاتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر غالب آتے جاتے ہیں جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ اوّل اوّل جب انسان خدا تعالیٰ سے تعلق شروع کرتا ہے تو وہ سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے مگر جوں جوں وہ تعلقات الٰہی میں ترقی کرتا ہے توں توں اس کی شہرت زیادہ ہوتی ہے حتّٰی کہ وہ ایک بڑا بزرگ بن جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ بڑا ہے اسی طرح جو کوئی اس کی طرف زیادہ قدم بڑھاتا ہے وہ بھی بڑا ہو جاتا ہے حتّٰی کہ آخر کار خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو جاتا ہے۔

اس توبہ کو کھیل نہ خیال کرو اور یہ نہ کرو کہ اسے یہیں چھوڑ جاؤ بلکہ اسے ایک امانت اللہ تعالیٰ کی خیال کرو۔ توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ کی اس کشتی میں سوار ہوتا ہے جو کہ اس طوفان کے وقت اس کے حکم سے بنائی گئی ہے۔ اس نے مجھے فرمایا ہے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ـ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا میں اپنے نائب کو بھیجتا ہے اور پھر جو اس کا مطیع ہوتا ہے اسے بادشاہ کا مطیع سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی اپنے نائب دنیا میں بھیجتا ہے۔ آج کل تو یہ ایک بیج ہے جس کے ثمرات تمہارے تک ہی نہ ٹھہریں گے بلکہ اولاد تک بھی پہنچیں گے۔ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے گھر رحمت سے بھر جاتے ہیں۔

دنیوی لوگ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بات کے لئے مجبور نہیں کہ اسباب کا محتاج ہو۔ کبھی چاہتا ہے تو اپنے پیاروں کے لئے بلا اسباب بھی کام کر دیتا ہے اور کبھی اسباب پیدا کر کے کرتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنے بنائے اسباب کو بگاڑ دیتا ہے۔

غرض اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مردہ نہ ہونے دو۔ کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سننا پڑے گا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم

نے ایک مجذوم، کافر، دجّال وغیرہ کی بیعت کی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔ اِس لئے چاہیئے کہ تم ان کے لئے دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ان کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو اُمید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے تم بھی اُن سے مُنہ پھیرلو۔

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار، توبہ، دینی علوم کی واقفیت، خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدنظر رکھنا اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دعا کی قبولیت کی کُنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دعا کرو اور غفلت نہ کرو۔ اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوقِ الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو، بچو"+ (ملفوظات جلد پنجم صنہ۳ تا صہ۳۰۳)

سچّی توبہ کے ثمرات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"انسان اپنی اِس مختصر زندگی میں بلاؤں سے محفوظ رہنے کا کس قدر محتاج ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُن بلاؤں اور وباؤں سے محفوظ رہے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور یہ ساری باتیں سچّی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا حافظ و نگران ہو جاتا ہے اور ساری بلاؤں کو خدا دُور کر دیتا ہے اور اُن منصوبوں سے جو دشمن اس کے لئے تیار کرتے ہیں اُن سے محفوظ رکھتا ہے۔" (ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۱۵۵)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

كُونُوا لِوَجْهِ اللّٰهِ مِنْ أَعْوَانِي

(خالصاً للہ میرے انصار میں سے بن جاؤ۔)

اَلْوَقْتُ يَدْعُوا مُصْلِحًا وَمُجَدِّدًا فَارْنُوا بِنَظْرٍ طَاهِرٍ وَجَنَانٍ

وقت ایک مصلح اور مجدد کو بلا رہا ہے۔ سو تم ایک نظر اور پاک دل کے ساتھ دیکھو۔

أَتَظُنُّ أَنَّ اللّٰهَ يُخْلِفُ وَعْدَهُ أَفَأَنْتَ تُنْكِرُ مَوْعِدَ الْفُرْقَانِ

کیا تو گمان کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا نہیں کرے گا۔ کیا تو فرقان کے وعدہ سے انکار کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتْرُكُوا طُرُقَ الْإِبَا كُونُوا لِوَجْهِ اللّٰهِ مِنْ أَعْوَانِي

اے لوگو! سرکشی کی راہوں کو چھوڑ دو اور خالصاً للہ میرے انصار میں سے بن جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الْعَادُونَ فِي جَهَلَاتِهِمْ تُوبُوا مِنَ الْإِفْسَادِ وَالطُّغْيَانِ

اے وے لوگو! جو باطل باتوں میں حد سے گزر گئے ہو فساد اور بے اعتدالی سے توبہ کرو۔

لَا تُغْضِبُوا الْمَوْلٰى وَتُوبُوا وَاتَّقُوا وَكَخَائِفٍ خِرُّوا عَلَى الْأَذْقَانِ

اپنے مولیٰ کو غصہ مت دلاؤ اور توبہ کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور ڈرنے والوں کی طرح اپنی ٹھوڑیوں پر گرو۔

اَلْقَمَرُ يَهْدِيكُمْ إِلٰى نُورِ الْهُدٰى وَالشَّمْسُ تَدْعُوكُمْ إِلَى الْإِيمَانِ

چاند تمہیں ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور سورج تمہیں ایمان کی طرف بلا رہا ہے۔

ظَهَرَتْ لَكُمْ آيَاتُ خَلَّاقِ الْوَرٰى فِي مُلْكِكُمْ لِمُؤَيَّدٍ سُبْحَانِي

تمہارے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان ظاہر ہو گئے وہ تمہارے ہی ملک میں مؤید سبحانی کے لئے ظاہر ہوئے۔

(نور القرآن الحصّة الثانية)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہست دیں تخمِ فنارا کاشتن

(دین کیا ہے، فنا کا بیج بونا)

تا نہ میری اے سگِ دنیا پرست　　دامنِ آں یار کے آید بدست

اے دنیا پرست کُتے جب تک تجھ پر موت نہ آئے گی تب تک اُس یار کا دامن کس طرح ہاتھ آئے گا۔

نیست شو تا بر تو فیضانے رسد　　جاں بیفشاں تا دگر جانے رسد

اپنی ہستی کو فنا کر دے تاکہ تجھ پر فیضانِ الٰہی نازل ہو۔ جان قربان کر تاکہ تجھے دوسری زندگی ملے۔

تو گزاری عمرِ خود در کبر و کیں　　چشم بستہ از رہِ صدق و یقیں

تُو تو اپنی عمر تکبر اور کینہ میں بسر کر رہا ہے اور تُو نے صدق و یقین کے راستہ سے آنکھ بند کر رکھی ہے۔

نیک دل با نیکواں دارد سرے　　بر گہر تف مے زند بد گوہرے

نیک دل انسان نیکوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ مگر بد اصل آدمی موتی پر بھی تھوکتا ہے۔

ہست دیں تخمِ فنارا کاشتن　　وز سرِ ہستی قدم برداشتن

دین کیا ہے فنا کا بیج بونا۔ اور زندگی کو ترک کر دینا۔

چوں بیفتی با دو صد درد و نفیر　　کس ہمے خیزد کہ گردد دستگیر

جب تُو سینکڑوں دردوں اور چیخوں کے ساتھ گر پڑتا ہے تو پھر ضرور کوئی کھڑا ہو جاتا ہے کہ تیرا مددگار ہو جائے

باخبر را دل تپد بر بے خبر　　رحم بر کورے کند اہلِ بصر

نادان کے لئے دانا آدمی کا دل تڑپتا ہے اور آنکھوں والے اندھے پر ضرور رحم کرتے ہیں۔

(تذکرۃ الشہادتین)

مقامِ عبودیّت پر مضبوطی سے قائم ہونے والی اُمّت

ایک خدائی وعدہ جو آنحضرتؐ کے ذریعہ بڑی شان سے پورا ہوا

(سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ)

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے متعدد خطبات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کے تیئیس ۲۳ مقاصد پر روشنی ڈال کر اس امر کو بڑے روح پرور انداز میں واضح فرمایا ہے کہ یہ سب مقاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ بڑی شان سے پورے ہوئے۔ اس ضمن میں حضور نے ۱۹ مئی ۱۹۶۷ء کو خطبۂ جمعہ میں سورۂ بقرہ کی آیت وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ کی رُو سے تعمیر بیت اللہ کا دسواں مقصد وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ کو قرار دیا اور واضح فرمایا کہ تعمیر بیت اللہ کا ایک مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی اُمّت پیدا ہو جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہو۔ چنانچہ حضور نے اس امر کو واضح کرتے ہوئے کہ یہ مقصد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے ذریعہ کس شان سے پُورا ہوا۔ فرمایا:۔

دسواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بیان ہوا تھا اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مکہ کے ذریعہ بیت اللہ کے ذریعہ اور اس میں مبعوث ہونیوالے عظیم الشان نبی کے طفیل اقوامِ عالم مقامِ عبودیت کا عرفان حاصل کریں گی۔ اور اس حقیقی عبادت کی بنیاد یہاں ڈالی جائے گی جو تذلّل اور فروتنی اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے۔ اور اس طرح قوم قوم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظلّ پیدا ہوں گے اور زمین کے خطّہ خطّہ پر اشاعتِ اسلام کے لئے مراکز قائم کئے جائیں گے جہاں عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اقرار کیا جائے گا اور اظہار کیا جائے گا۔ اور اس عاجزی اور تذلّل کے نتیجہ میں محض خدا کی

خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے اختیار کیا جائے گا۔ وہ اقوام آسمانی برکات حاصل کریں گی اور بخشش کی مستحق ٹھہریں گی۔ تو فرمایا تھا کہ یہاں مکہ کے ذریعہ اس شریعت کے طفیل جو یہاں نازل ہوگی، صلوٰۃ کو اپنے تمام معانی اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والی اُمّت پیدا ہو جائیگی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔

دراصل اس کا تعلق بھی پہلے دو مقاصد سے ہے کیونکہ آٹھواں وعدہ یہ تھا کہ تمام اقوام کو ایک اُمّتِ مُسلمہ بنا دیا جائے گا، ایک قوم بنا دیا جائے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک امنِ عالم کا قیام نہ ہو۔ تو پہلے وعدہ دیا اور پھر اس وعدہ کو قرآن کریم کی شریعت کے رنگ میں پورا کیا کہ وہ کامل تعلیمِ امن جو اقوامِ عالم کے درمیان امن کو قائم کرنے کے لئے تھی وہ انسان کو دی گئی۔ اور اب دسویں مقصد میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس تعلیم پر عمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُمّتِ محمدیہ یا موعودہ اُمّت تذلل اور عاجزی کو اختیار کرنے والی نہ ہو۔ اس واسطے کہا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط اس کے بغیر تم عالمگیر امن کو دنیا میں قائم نہیں کر سکتے۔ تو یہاں وعدہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی اُمّت پیدا کی جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کامل متبعین جو اپنے مقامِ عبودیت کو پہچانتے ہیں اور مضبوطی سے اس پر قائم ہیں، وہ ہیں جو:-

"بشہودِ کبریائی حضرت باری تعالیٰ ہمیشہ تذلل اور پستی اور انکسار میں رہتے ہیں اور اپنی اصل حقیقت ذلت اور مفلسی اور ناداری اور پُر تقصیری اور خطاکاری میں سمجھتے ہیں۔ اور ان تمام کمالات کو جو اُن کو دیئے گئے ہیں اس عارضی روشنی کی مانند سمجھتے ہیں جو کسی وقت آفتاب کی طرف سے دیوار پر پڑتی ہے جس کو حقیقی طور پر دیوار سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور لباسِ مستعار کی طرح معرضِ زوال میں ہوتی ہے پس وہ تمام خیر و خوبی خدا ہی میں محصور رکھتے ہیں اور تمام نیکیوں کا چشمہ اسی کی ذاتِ کامل کو قرار دیتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کے کامل شہود سے ان کے دل میں حق الیقین کے طور پر بھر جاتا ہے کہ ہم کچھ چیز نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے وجود اور ارادہ اور خواہش سے بکلی کھوئے جاتے ہیں اور عظمتِ الٰہی کا پُر جوش دریا اُن کے دلوں پر ایسا محیط ہو جاتا ہے کہ ہزارہا طور کی نیستی اُن پر وارد ہو جاتی ہے اور شرکِ خفی کے ہر یک رگ و ریشہ سے بکلی پاک اور منزہ ہو جاتے ہیں۔" (براہین احمدیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے :-

"نماز کے اجزاء اپنے اندر ادب، خاکساری اور انکساری کا اظہار رکھتے ہیں۔ قیام میں نمازی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے طریقِ ادب سے کھڑا ہوتا ہے۔ رکوع میں انسان انکسار کے ساتھ جھک جاتا ہے۔ سب سے بڑا انکسار سجدہ میں ہے جو بہت ہی عاجزی کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔"

(مرآۃ الحقائق جلد سوم مجموعہ فتاویٰ احمدیہ۔ مولوی محمد فضل صاحب چنگوی صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اپنے فضل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ایک ایسی جماعت پیدا کرتے رہیں گے جو انکسار اور تذلّل اور فروتنی اور تواضع کے مقام کو مضبوطی سے پکڑے اور اس تذلّل اور انکسار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُس امن کے قیام کے امکانات پیدا کرے گا جو آمنّا میں بیان ہوئے ہیں، اور جس کی تعلیم قرآن کریم نے تفصیل سے ہمیں دی ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقی عبادت (۱) محبت و ایثار اور (۲) تذلّل و انکسار ہر دو کے خمیر سے پرورش پاتی ہے۔ لیکن کبھی محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کبھی تذلّل اور فروتنی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا حُسن اور اُس کا احسان جلوہ فگن ہوتا ہے تو انسان کا دل اپنے رب کی محبت سے بھر جاتا ہے اور ایک عاشقِ زار کی طرح وہ اُس کی ہر آواز پر لبیک کہتا ہے۔ وہ اس کے گرد گھومتا ہے۔ وہ نیستی کا لبادہ پہن کر اُسی میں کھو جاتا ہے اور اُس کے اپنے وجود پر کلیۃً ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی اُس کے رب کی طرف سے اُسے عطا ہوتی ہے مگر دُنیا اُسے نہیں پہچانتی۔ اور وہ اُس کی کچھ پرواہ بھی نہیں کرتا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا جلوہ اُس پر ظاہر ہوتا ہے تو اُس کا دل خوف و رجاء اور امید و بیم سے لبریز ہو جاتا ہے عظمتِ الٰہی اور جلالِ الٰہی کے اس جلوہ کے بعد اس کی اپنی کوئی بزرگی اور عظمت باقی نہیں رہتی۔ وہ فروتنی کا جامہ پہن لیتا ہے انکسار کو اپنا شعار بناتا ہے اور تذلّل کی گرد سے غبار آلود اور اَغبر نظر آتا ہے۔ وہ عاجزانہ راہوں کو اختیار کرتا ہے اور عاجزی کے ساتھ اور خوف زدہ دل کے ساتھ لرزاں اور ترساں اپنے رب کے حضور جھکتا ہے اور اُس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرتا ہے۔ اُس کے جسم کا ہر ذرہ اور اس کی رُوح کا ہر پہلو اپنے رب کے خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے اور عظمت و جلال کا یہ جلوہ اُسے اِس حق الیقین پر قائم کر دیتا ہے کہ اس عظمت کے مقابلہ میں سب مخلوق مُردہ اور لاشئے محض ہے اور ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھی جا سکتی اور نہ وہ بذاتِ خود اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر امید وابستہ

کی جا سکتی ہے تو صرف ذو الجلال و الاکرام سے۔ تب خوف کے ساتھ ایک امید و رجاء بھی اس کے سینۂ صافی میں پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی سب امیدوں کو اپنے رب سے ہی وابستہ کر لیتا ہے اور صرف اس پر توکل رکھتا ہے اور حاجت براری کے لئے صرف اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے اور اُس کا دل اس یقین سے پُر ہوتا ہے کہ جو کچھ ملنا ہے صرف اسی در سے ہی ملنا ہے، جُوتی کا ایک تسمہ ہو یا دنیا جہان کی عزتیں۔

جس شخص پر عظمت و جلال کا یہ جلوہ ظاہر ہو وہ یہ نہیں کیا کرتا کہ کشوف و رؤیا کا ایک کشکول بنائے اور قبولیتِ دُعا کے واقعات سے اُسے سجا کر دَر دَر پھرے اور دُنیا والوں سے دُنیا کی عزت اور احترام اور توصیف اور تحسین کی بھیک مانگے، اور دنیا کی نگاہوں میں اپنے لئے کسی احترام کا متلاشی ہو۔ ایک مُردہ سے اُسے کیا لینا ہے؟ اور ایک لاشہ نے اسے کیا دینا ہے؟ جس کی عظمت اور جلال کے خوف نے اور جس کی بے پایاں رحمت کی اُمید نے جس دَر کا فقیر اسے بنا دیا۔ وہ اسی در پر دھونی رمائے اُمید و بیم کے درمیان زندگی کے دن پُورے کر دیتا ہے۔ تب اس کا رب اس سے راضی ہوتا ہے اور محبت سے اپنی گود میں اسے بٹھا لیتا ہے! اور دُنیا اور آخرت کی جنتیں اسے مل جاتی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی اُمت کے معرضِ وجود میں آنے کی بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور خدا کی قسم اس نے اپنے وعدہ کو پُورا کر دکھایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ مئی ۱۹۶۷ء مطبوعہ الفضل ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء)

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"

(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ایک اقتداری پیشگوئی اور اُس کا ظہور!

(مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے)

"ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"۔۔۔۔ یہ وہ الہام ہے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو "تذکرہ" صفحہ ۵۱۸ پر درج ہے اور "الحکم" جلد ۹ نمبر ۲۴ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۵ء کے حوالے سے شائع ہوا ہے۔ الہام کی صحیح تاریخ معیّن نہیں کی گئی، تخمیناً ۱۹۰۴ء کا زمانہ لکھا ہے کہ جب یہ الہام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا لیکن شائع ۱۹۰۵ء میں ہوا ہے۔ حاشیے میں ایڈیٹر صاحب الحکم کا نوٹ بھی درج ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے :۔

"جب جاپان اور رُوس کی لڑائی شروع ہوئی ہے اور ابھی کوئی میدان جاپان نے نہیں مارا تھا حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا تھا "ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت"۔ اِس الہام کو جماعت کا بہت بڑا حصہ جانتا ہے، خصوصاً وہ لوگ جو دار الامان میں رہتے ہیں۔ میری غفلت سے یہ اخبار میں شائع نہیں ہو سکا۔"

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۵ء)

اسی حاشیے میں مرتب کا نوٹ بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جنگ ۲۷-۲۸ مئی ۱۹۰۵ء کو ختم ہوئی اور معاہدۂ صلح کی رُو سے روس کی بجائے جاپان کا اقتدار کوریا پر تسلیم کر لیا گیا۔ گویا مشرقی طاقت "جاپان" کے غلبے اور کوریا کے مفتوح ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی واضح طور پر پُوری ہو گئی۔

اِس پیشگوئی کے متعلق یہ ایک عجیب الٰہی تصرّف ہوا ہے "تذکرہ" کی رُو سے حضور علیہ السلام کو یہ الہام تو تخمیناً ۱۹۰۴ء میں ہوا لیکن روس اور جاپان کے معاہدۂ صلح کے دو ماہ بعد تک تحریری طور پر شائع نہ ہو سکا۔ خاکسار کے نزدیک پیشگوئی کا اصل ظہور معاہدۂ صلح کے بعد شروع ہوا۔ جنگ سے

دوران اور معاہدے تک بے شک اس کا جزوی ظہور تو ہوا لیکن جس شان، وسعت، شدت اور استمرار کے ساتھ معاہدہ صلح کے بعد پچھلے باسٹھ سال سے یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اشاعت کا ملتوی ہونا الٰہی ارادہ کے تحت ہوا ہے۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس پیشگوئی کا ظہور ۱۹۰۵ء تک ہی نہیں بلکہ ایک لمبے عرصے تک ہونا مقدر ہے اس لئے اس کے ابتدائی اور جزوی ظہور کے بعد تک اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی تاکہ شک کرنے والے شرمندہ ہوں اور ایمان لانے والوں کے ایمان میں اضافہ ہو۔

پیشگوئی کے الفاظ اور ان کا مفہوم

پیشگوئی کے الفاظ پر غور کریں تو یہ دو حصوں میں منقسم نظر آتی ہے :-

اوّل - "ایک مشرقی طاقت"

دوم - "اور کوریا کی نازک حالت"

پیشگوئی کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک مشرقی طاقت منصۂ شہود پر آئے گی اور اس کے ظہور کے ساتھ یا اس کی وجہ سے کوریا کی حالت نازک ہو جائے گی۔ "حالت" کا لفظ بھی قابلِ غور ہے۔ یہ لفظ استمرار اور وسعت اور ایک لمبی مدت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ عملاً معرضِ وجود میں آیا۔

جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام ہوا اُس وقت چین اور جاپان دونوں تیسرے درجے کی طاقتیں تھیں۔ وہ اقوامِ عالم میں طاقت کے لحاظ سے کسی شمار قطار میں نہ تھیں۔ لیکن پیشگوئی کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں ملک عظیم مشرقی طاقتیں بن کر اُبھرے اور حضور علیہ السلام کی اس الہامی پیشگوئی کی صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر گئے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ دونوں کا بحیثیت عالمی قوتوں کے خروج کوریا ہی سے شروع ہوا اور دونوں کی وجہ سے کوریا کی حالت نازک رہی۔ آئیے اس عظیم آسمانی گواہ یعنی کوریا کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل کریں۔

کوریا مشرقِ بعید کا دل کہلاتا ہے اور اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مانچوریا اور روس کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ ایک جزیرہ نما ہے جو ۵۲۵ میل لمبا اور ۱۲۵ سے ۲۰۰ میل تک چوڑا ہے۔ اس کے شمال میں دریائے یالو، جنوب میں آبنائے کوریا، مغرب میں بحیرہ زرد اور مشرق میں بحرِ جاپان ہے۔ اس کا ساحل ۵۴۰۰ میل لمبا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تین ہزار پانچ سو جزیرے ہیں۔ کل رقبہ ۸۵,۲۴۵ مربع میل ہے۔ شمالی اور جنوبی کوریا کی کل آبادی

۱۹۶۰ء کی مردم شماری کے مطابق تین کروڑ بتیس لاکھ چوالیس ہزار ایک سو تیرہ کس تھی۔ گرمیوں میں درجۂ حرارت ۵ء۷ ف ۱۰ء۴۴ س۔ اور سردیوں میں ۸ء۱ ف ۸ء ۱ س ہوتا ہے۔ سویا بین یہاں کی معروف پیداوار ہے۔ خصوصاً شمالی کوریا اور منچوریا کے متعلق تو یہ مثل مشہور ہے کہ یہاں بوڑھے تو ہوتے ہیں بڑھاپا نہیں ہوتا۔ ماضی قریب میں مسٹر سنگھم رہی نے جو اس وقت کے جنوبی کوریا کے وزیر اعظم تھے تقریباً اسی برس کی عمر میں شادی کی جس پر کوریا میں کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اگرچہ دنیا بھر کے پریس نے اس خبر کو خوب اچھالا ــــــ نہیں کہا جا سکتا کہ جب سے امریکی گندم ان لوگوں نے کھانی شروع کی ہے ان کی صحتوں کی حالت کیسی ہے!۔ شاید اب یہ کہنا درست ہو کہ وہاں بڑھاپا تو ہوتا ہے بوڑھے نہیں ہوتے۔

کوریا کے تاریخی حالات

کوریا کا لفظ کوریو یا کورائی سے نکلا ہے جو ایک قدیم شاہی خاندان کا نام ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں "بلند پہاڑی سلسلوں اور چمکتی ہوئی ندیوں کا دیس"۔ لیکن کوریا کے باشندے اپنے ملک کو چوسن Chosan یا Taehan کہنا پسند کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چوسن کے لفظی معنی ہیں "سکونِ صبح کا وطن" جو مشرقی طاقت کے لفظ سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔

کوریا بہت قدیم ملک ہے۔ اس کی تاریخ بہت پرانی ہے جس کا زمانہ قبل از مسیح سے بہت پہلے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کے مذاہب کی مختصر تاریخ یہ ہے۔ قدیم ترین مذہب شامان ازم ہے جو مظاہر قدرت کی پرستش کی ایک شکل ہے۔ چینیوں کے اثر و نفوذ کے ساتھ ساتھ بدھ مذہب اور کنفیوشس ازم کا ایک صدی قبل از مسیح میں عمل دخل ہوا۔ جاپانیوں کی آمد کے ساتھ شینٹو ازم اور بدھ مذہب اپنی کئی مسخ شدہ صورتوں میں یہاں پہنچے۔ سولھویں صدی عیسوی میں عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز ہوا۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے یہاں پانچ لاکھ اور ۱۹۶۰ء کی مردم شماری کی رُو سے یہاں بیس لاکھ عیسائی تھے۔ ایک خود ساختہ مذہب Chonodokyo چانوڈوکیو جو تمام مذاہب کا ملغوبہ ہے، ۱۸۵۹ء میں ایک شخص Choe نے شروع کیا۔ ۱۹۳۰ء میں اس کے ماننے والے بیس لاکھ کی تعداد میں تھے۔ اب آہستہ آہستہ ان کی تعداد کم ہو رہی ہے آجکل تعداد قریباً پونے دو لاکھ ہے۔

کوریا کی نازک حالت کا آغاز

کوریا ۱۸۸۲ء سے لے کر مختلف اوقات میں دو مشرقی طاقتوں جاپان اور چین کی باہمی کشمکش کا

کا اکھاڑہ بنا رہا۔ ۱۸۹۵ء میں چین کو شکست ہوگئی اور جاپان کے اثر و نفوذ سے تنگ آکر شاہِ کوریا نے روس کی پناہ ڈھونڈی۔ ۱۹۰۴ء تک کا زمانہ روس اور جاپان کی باہمی کشمکش کا زمانہ ہے۔ یہاں تک کہ فروری ۱۹۰۴ء میں روس اور جاپان کی جنگ چھڑ گئی۔ دو ہفتے کے اندر اندر جاپان کے دباؤ کے ماتحت کوریا کے بادشاہ کو جو اب شہنشاہ کہلانے لگ گیا تھا، ایک معاہدۂ وفاداری اور رفاقت پر دستخط کرنے پڑے اور پیشگوئی کے عین مطابق کوریا کی نازک حالت کا آغاز ہوگیا۔

اِس جنگ میں روس جیسے عظیم ملک کو جاپان کے ہاتھوں ذلّت آمیز شکست اٹھانی پڑی اور جاپان افقِ اقوامِ عالم پر ایک مشرقی طاقت کی حیثیت سے ظاہر ہوا۔ جس وقت حضور علیہ السلام کو یہ الہام ہوا اُس وقت نہیں کہا جا سکتا تھا بلکہ قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ رُوس جاپان سے شکست کھا جائے گا۔ روس کے مقابلے پر جاپان کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ کوریا کی اصل مشکلات کا آغاز جاپان کی فتح اور تسلّط کے بعد ہوتا ہے۔ جس کے مختصر کوائف یہ ہیں ——— نومبر ۱۹۰۵ء میں جاپانی افواج نے شاہِ کوریا کے محل کا محاصرہ کر لیا اور زبردستی ایک معاہدہ پر دستخط کروا لئے جس کی رُو سے تمام امورِ خارجہ جاپان نے اپنے قبضے میں لے لئے۔ ۱۹۰۷ء میں بادشاہ کو معزول کر دیا گیا اور اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ہر وزارت میں ایک جاپانی وزیر مقرر کیا گیا۔ اصل اختیارات اُس کے ہاتھ میں ہی ہوتے تھے۔ تمام فوج برخاست کر دی گئی۔ پولیس، عدلیہ اور جیلوں پر جاپانیوں کا مکمل تسلّط قائم ہو گیا۔ ۱۹۱۰ء میں شاہِ کوریا نے جاپان سے الحاق کے کاغذات پر دستخط کر دیئے اور کوریا ایک جاپانی صوبہ بن کر رہ گیا۔ جس میں اہلِ کوریا کی حیثیت غلاموں کی سی تھی۔ تمام ملازمتوں اور عہدوں حتّٰی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں تک کی آسامیوں پر جاپانی افسر متعین ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ دیہات کے نمبردار تک جاپانی مقرر ہوگئے۔ کورین لوگ صرف کلرک اور مزدور بھرتی ہو سکتے تھے۔ کامپٹن کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق اہلِ کوریا کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ جاپانی نام رکھیں۔ اُنہیں برسرِ عام اپنی مادری زبان میں گفتگو کی اجازت نہ تھی۔ نہ اُنہیں اجازت تھی کہ وہ اپنے قومی تہوار منائیں یا ایسے موقعوں پر مخصوص لباس پہنیں۔ سکولوں میں زبردستی شنٹو مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی اور بچوں کے دلوں میں شاہِ جاپان کی عظمت و احترام کے جذبات پیدا کئے جاتے تھے۔ جاپانی طاقت، ظلم اور دہشت کے بل بوتے پر حکومت کرتے تھے۔ کوریا میں جو چاول پیدا ہوتا تھا وہ جاپان بھیج جاتا تھا اور اہلِ کوریا بھوکے کے بھوکے رہ جاتے تھے۔ موسمِ سرما اور بہار کے درمیانی عرصے میں بہت سے کاشتکار مجبور ہو جاتے تھے کہ وہ جنگلی جڑی بوٹیوں اور درختوں کی چھال پر گزارہ کریں۔ زندگی

فارموں کی اکثریت جاپانیوں کی ملکیت بن چکی تھی۔ جاپانی فوج اور پولیس ہر فرد پر ہوّے کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ محلے محلے اور گلی گلی میں فوج اور پولیس کی نگرانی تھی۔ ۱۹۴۱ء میں ہر چار صد آدمیوں پر ایک پولیس کا سپاہی متعین تھا۔ جاپانی فوج اس کے علاوہ تھی۔ اقتصادی کنٹرول انتہائی شدید اور ظالمانہ تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے بھاگ بھاگ کر ملک چھوڑنا شروع کر دیا۔ کوریا ایک جیل کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اہلِ کوریا کو اُف تک کرنے کی مجال نہ تھی۔

کوریا کی حالت واقعی نازک ہو چکی تھی۔ یہ حالت متواتر چالیس سال تک رہی۔ یعنی ۱۹۴۵ء تک، جب جاپان طاقت کے لحاظ سے اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ جہاں ایک طرف وہ پرل ہاربر کے پانیوں میں امریکہ کی بحری طاقت کو دفن کر چکا تھا تو دوسری طرف سنگاپور پر قبضے کے بعد ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ الہام کے دونوں حصے پورے چالیس سال تک ہر لحہ اور ہر ثانیہ بڑی شان کے ساتھ پورے ہوتے۔ جاپان کی یہ کامیابی جو اُس نے جنگِ عظیم کے دوران امریکہ، انگلستان، ہالینڈ اور فرانس وغیرہ کے خلاف حاصل کی وہ اس پیشگوئی کے ظہور کو واضح تر کرنے کا باعث بنی۔ "ایک مشرقی طاقت" اِس قدر طاقتور ہو گئی کہ مغرب کی عظیم ترین طاقتیں اس کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور اس الہٰی پیشگوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور حضور کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کے زندہ خدا ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کر گئیں۔ اسی طرح جاپان نے جو مظالم کوریا میں ڈھائے اور جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ وہ بجائے خود اس پیشگوئی کی صداقت پر گواہ ہیں۔ چالیس سال تک ہر جاپانی کوڑا اور ہر کوریائی چیخ جو فضا میں بلند ہوئی درحقیقت، اللہ تعالیٰ کی جبروت اور اقتدار اور اس پیشگوئی کی صداقت کا اعلان بن کر بلند ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس عظیم الشان پیشگوئی کے ظہورِ ثانی کا وقت آ پہنچا۔

پیشگوئی کے ظہورِ ثانی کا زمانہ

یہ وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر نے صدرِ امریکہ ہنری ٹرومین کے ہاتھوں فیصلہ کروایا کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بنی نوعِ انسان کا تیار کردہ تباہی و ہلاکت کا مہیب ترین ہتھیار یعنی جوہری بم گرایا جائے۔ ان بموں کے گرتے ہی جاپان کا ایک مشرقی طاقت کی حیثیت سے بلبلے کی طرح خاتمہ ہو گیا۔ ۱۲؍ اگست ۱۹۴۵ء کو روسی افواج شمالی کوریا میں اور ۸؍ ستمبر ۱۹۴۵ء کو امریکی افواج جنوبی کوریا میں داخل ہو گئیں اور کوریا دو حصوں میں منقسم ہو گیا جن کی حدِ فاصل 38 Parallel

قرار پائی۔ مصنوعی خدا کی پرستش کرنے والی اور جزائر میں رہنے والی ایک مشرقی طاقت امریکہ کی مغلوب اور غلام بن کر رہ گئی۔ اب کوریا پر ایک اور ابتلاء نازل ہوا۔ اس چالیس سالہ نحیف و نزار اور مجبور و مقہور ملک کو امریکی اور روسی فوجوں نے بانٹ کر بالکل بے جان کر دیا۔ دنیا کے دو عظیم ترین ملکوں کی فوجیں اس کے چپے چپے کو پامال کرتی چلی گئیں۔

روس اور امریکہ دونوں فاتح قومیں کوریا کو ہڑپ کر جانے کے درپے تھیں۔ اس اثناء میں اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں روس، امریکہ، انگلستان اور چین نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متحدہ کوریا کی تشکیل کی جائے اور تمام فوجوں کی کمان یکجا کر دی جائے۔ لیکن جھگڑا طویل ہوتا چلا گیا اور اقوام متحدہ کی تمام کوششیں جو یکے بعد دیگرے کی گئیں ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ ایک طویل داستان ہے جسے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن ایک عجیب اور ایمان افزا امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۴۹ء تک امریکہ اور روس کی فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ جنگِ عظیم میں جو کچھ عرصہ پہلے ہی ختم ہوئی تھی یہ دونوں ملک اتحادی تھے۔ اگرچہ دل کینے اور نفرت اور شک و شبہ سے بھرے ہوئے تھے لیکن ابھی کسی قسم کی جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ کوریا میں ایک خاموش اور پوشیدہ قسم کی کشمکش تو موجود تھی تاہم دونوں ملکوں کی فوجوں کی وجہ سے ملک کو بہت سے فائدے بھی عارضی طور پر حاصل ہو رہے تھے۔ شمال میں روس شمالی کوریا میں اہلِ کوریا کو فوجی لحاظ سے منظم کر رہا تھا اور جنوب میں امریکہ اپنے روایتی طریق پر امریکی ڈالر کے پہیوں پر کوریا کی گاڑی چلانے کے خواب دیکھ رہا تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ کوریا جو چالیس سال تک جاپانی مظالم کی چکی میں پستا رہا تھا اسے پانچ سال کے لئے ستانے اور سُکھ کا سانس لینے کی مہلت مل گئی تھی یعنی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۰ء تک کوریا کے حالات نسبتاً بہتر ہو گئے تھے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

اگر ہم حالات کا جائزہ لیں تو دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے لرز جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ وقفہ بھی عین اس الہامی پیشگوئی کے مطابق مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۰ء تک مشرق میں کوئی عظیم مشرقی طاقت تھی ہی نہیں۔ ہندوستان اوّلاً آزاد نہیں ہوا تھا اور ثانیاً آزاد ہونے کے بعد بھی یہ کوئی طاقت نہ تھا اور نہ ہے۔ جاپان پٹ چکا تھا۔ روس مشرقی طاقت تھا نہیں اور نہ اب تک ہے۔ اس امر کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں کہ روس تا حال مشرقی طاقت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ روس ہمیشہ سے ایک مغربی طاقت شمار ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ سے وہ یورپ کا حصہ شمار ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ اس کا ایک بے آباد حصہ ایشیا میں بھی واقع ہے لیکن عملاً روس ایک یورپی طاقت ہی سمجھا جاتا رہا ہے۔

اور Holy Russian Empire اور کمیونسٹ رُوس سٹالن کے زمانے تک یورپ ہی کا حصّہ تسلیم کئے جاتے رہے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ ہمارے اپنے زمانے میں رُوس نے جاکارتا اور قاہرہ کانفرنسوں میں کس طرح سر توڑ کوشش کی کہ اُسے ایفرو ایشین اقوام کی مجلس کی رُکنیت مل جائے اور اس کے لئے اُس کے چین کے ساتھ اختلافات شدّت بھی اختیار کر گئے لیکن روس اپنی اس مہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔

المختصر کوریا پر رُوس اور امریکہ قابض تھے۔ کوریا کو پانچ سال تک سُکھ کا سانس لینا نصیب ہو رہا تھا۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ جاپان کی قوّت کے خاتمہ کے بعد ابھی تک کوئی "مشرقی طاقت" منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی تھی۔ چین میں چیانگ کائی شیک اور ماؤ زے تنگ یعنی قوم پرست چین اور اشتراکی چین میں جنگِ عظیم سے پہلے کے زمانے سے خانہ جنگی ہو رہی تھی وہاں جنگ کے خاتمہ کے بعد پھر پہلی سی سول وار شروع ہو چکی تھی اور یہ باہمی لڑائی ترازو کی تول تُلی ہوئی تھی لیکن دسمبر ۱۹۴۹ء میں ماؤ زے تنگ کے ساتھیوں نے چیانگ کائی شیک اور ان کے ساتھیوں کو ملک چین سے دھکیل کر باہر نکال دیا جو تائی وان یعنی فارموسا میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ چیانگ کائی شیک کی شکست کے ساتھ ہی کمیونسٹوں کو چین میں مکمل اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس طرح وہ ملک جس کے باشندے ازلی افیمی تصوّر کئے جاتے تھے اور جنہیں اپنے ملک میں امریکہ، انگلستان اور فرانس کے ہاتھوں انتہائی ذلّت آمیز سلوک برداشت کرنا پڑتا تھا وہی بیمار، اپاہج اور مفلس ملک ایک نئی "مشرقی طاقت" بن کر اُبھرا۔ یہاں تک کہ اس پیشگوئی کی روشنی میں ستّر کروڑ بے دین چینی دینِ حق کے گواہ بن کر کھڑے ہو گئے۔

کوریا میں ایک بار پھر نازک حالت کا ظہور

عجیب تر بات یہ ہے کہ اس عرصے میں یعنی ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۸ء تک رُوس اور ۲۹ر جون ۱۹۴۹ء تک امریکہ اپنی اپنی افواج کا کوریا سے انخلاء مکمل کر چکے تھے اور برائے نام افواج اُن کے اپنے اپنے زونز (Zones) میں باقی رہ گئی تھیں۔ جب ۱۹۴۹ء کے آخر میں اشتراکی چین صفحۂ عالم پر ایک مشرقی طاقت بن کر اُبھرا تو اس عظیم پیشگوئی کے ظہور کا دوسرا دَور شروع ہُوا چین کے اس حیثیت سے معرضِ وجود میں آنے سے فوراً پہلے ایک مغربی طاقت یعنی روس نے اُس کے لئے کوریا کا میدان خالی کر دیا۔ ایک لمبے عرصے تک لوگ یہی سمجھتے رہے کہ شمال میں روس ہی کی افواج جنگ لڑ رہی ہیں۔ امریکہ تو بہت دیر تک شور مچاتا رہا کہ شمالی کوریا میں روس جنگ کر رہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب شمالی اور جنوبی کوریا کی جنگ کا آغاز گوریلا لڑائیوں سے ہُوا اور بالآخر جنگ کی آگ اپنی پوری

شدت سے بھڑک اُٹھی اور اس کے ہولناک شعلوں نے کوریا کی سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو رُوسی کسی موقع پر بھی کوریا میں لڑتے ہوئے نظر نہیں آئے۔ اور آج تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیئے کوریا کی ساری کی ساری جنگ چین کی جنگ نظر آتی ہے۔ رُوس کا کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

ایک اور ایمان افزا امر یہ ہے کہ کوریا میں اگرچہ ابتداءً رُوس اور امریکہ نے اپنی فوجیں داخل کیں لیکن جنگ کے شروع ہونے سے پہلے پہلے رُوس کی افواج نے چین یعنی ایک نئی مشرقی طاقت کے لئے میدان خالی کر دیا۔ جنوبی کوریا میں جنگ کے شروع ہونے سے قبل اگرچہ امریکی افواج میدان خالی کر گئی تھیں لیکن جنرل میکارتھر کی زیرِ نگرانی جاپان میں متعین امریکی افواج جب دوبارہ جنوبی کوریا میں داخل ہوئیں تو امریکی افواج کی حیثیت سے نہیں بلکہ اقوامِ متحدہ کی افواج کی حیثیت سے داخل ہوئیں۔ یعنی جب یہ فوجیں واپس کوریا آئیں تو اُن کی مغربی حیثیت ختم ہو کر بین الاقوامی حیثیت تسلیم کی جا چکی تھی تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ کوریا کی حالت ایک مغربی طاقت کی وجہ سے نازک ہوئی۔

جنوری ۱۹۵۰ء تک تو بظاہر شمالی کوریا کے دستے جنوبی کوریا پر گوریلا حملے کرتے رہے، لیکن ۲۵ / جون ۱۹۵۰ء کو شمالی کوریا کی فوجوں نے جنوبی کوریا کو باقاعدہ حملے کا نشانہ بنایا۔ اقوامِ متحدہ نے اس حملے کو شمالی کوریا کی جارحیت قرار دیا ــــــ شمالی کوریا کی فوج جو ایک لاکھ تیس ہزار باقاعدہ اور ایک لاکھ ریزرو دستوں پر مشتمل تھی اور رُوسی ساخت کے اسلحہ سے لیس تھی 38 Parallel کو پار کر کے جنوبی کوریا میں داخل ہو گئی۔ سیکورٹی کونسل کا روس نے بائیکاٹ کر رکھا تھا اس وجہ سے روسی ویٹو کے خطرے سے آزاد ہو کر امریکہ نے اقوامِ متحدہ کے نام پر دو دن کے اندر اندر یعنی ۲۷ / جون ۱۹۵۰ء کو اپنی فوجیں جنوبی کوریا میں داخل کر دیں۔ اقوامِ متحدہ کی افواج میں تیرہ مختلف قوموں کی افواج بھی شامل تھیں۔

اس خونی ریز جنگ کی تفصیل دینے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش ــــــ مختصر یہ کہ چھبیس اکتوبر تک اقوامِ متحدہ کی افواج بے شمار نقصان اُٹھانے کے بعد شمالی کوریا کی فوجوں کو شمال کی طرف دھکیلنے میں کامیاب ہو گئیں۔ یہاں تک کہ منچوریا کی سرحد تک پہنچ گئیں۔ یکم نومبر کے بعد چین کی عسکری عظمت کا دَور شروع ہوتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی افواج جو ہر طرح کے مہلک اسلحہ سے لیس تھیں اور فاتحانہ انداز میں بڑھ رہی تھیں، اچانک چین کی باقاعدہ افواج سے ٹکرائیں اور پاش پاش ہو کے رہ گئیں۔ اس جنگ کے دَوران جنرل میکارتھر کو جنہیں امریکی عسکری ذہانت کا عظیم ترین نمائندہ سمجھا جاتا ہے انتہائی خطرناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ذلت آمیز طریق پر اُنہیں کمان سے فارغ کر دیا گیا۔ امریکی

جرنیلوں اور چیفس آف سٹاف اور صدر امریکہ مسٹر ٹرومین کے مابین پبلک طریق پر باہمی بیان بازی ہوئی اور جنرل آئزن ہاور محض اِس وجہ سے انتخاب جیت گئے کہ انہوں نے اپنی قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوریا کی جنگ کے خاتمہ کا اعلان کر دیں گے ـــــ بہرحال چین کے اِس حملے نے جسے تاریخ دان ایک ہیبتناک طوفان سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ یعنی امریکہ کی فوجوں کی کمرِ ہمت توڑ کر رکھ دی۔ امریکہ نے سوائے ایٹم بم کے ہر وہ ہتھیار استعمال کیا جس کے بل بوتے پر اس نے جرمنی کو شکست دی تھی۔ بلکہ کئی نئے ہتھیار بھی آزمائے لیکن اس کو ذلّت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ امریکہ کی مایۂ ناز ایکس۔کور (X - Corps) کا وہی حشر ہُوا جو ڈنکرک میں انگریزی افواج کا ہُوا تھا۔ اِس حملے میں پہلے چین کی ایک لاکھ اسّی ہزار فوج نے امریکہ کی آٹھویں فوج پر حملہ کیا۔ پھر دوسری ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج نے امریکہ کی ایکس کور پر پہاڑوں میں سے ہو کر حملہ کیا اور متحدہ افواج کو روندتی ہوئی چلی گئیں۔ اِس ذلّت آمیز شکست کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا مقالہ نویس لکھتا ہے کہ اِس شکست کی ذمہ داری جنرل واکر یعنی فیلڈ کمانڈر اور جنرل میکارتھر یعنی سپریم کمانڈر دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ نیز کہتا ہے کہ صلح تو ہو گئی لیکن مُنہ کا ذائقہ اب تک بدمزہ ہے۔

چینی افواج نے دوسرا حملہ چار لاکھ چینی اور ایک لاکھ شمالی کوریا کی افواج کے ساتھ ۳۱ر دسمبر کو کیا۔ مقابلے میں امریکہ اور جنوبی کوریا کے علاوہ تیرہ دوسری قوموں کی افواج بھی شامل تھیں۔ چین کے حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے متحدہ افواج نے بے حد نقصان اٹھانے کے بعد پسپائی شروع کی۔ یہاں تک کہ چار روز کے اندر اندر جنوبی کوریا کا صدر مقام سیول خالی ہو گیا۔ خوں ریزی کا یہ عالم تھا کہ صرف شہر سیول میں ستر ہزار کمیونسٹ فوجی اور سات ہزار متحدہ فوجی کام آئے۔ سات روز میں تقریباً نوّے ہزار کمیونسٹ مارے گئے۔ یہ ایک لمبی تفصیل ہے، مختصراً یہ کہ مئی میں متحدہ افواج کا جوابی حملہ، ان کے مقابلے پر آٹھ لاکھ کمیونسٹ افواج کا جن میں سے تین چوتھائی چینی تھے، مقابلہ۔ روس کا ہتھیاروں خصوصاً توپخانے اور جہازوں کے ذریعے امداد کرنا اور فضائی جنگ کا ہولناک دَور۔ امریکن نیوی کی پُوری قوت کے ساتھ شمولیت۔ شمالی کوریا کا اقتصادی محاصرہ اور بالآخر امریکی افواج کا جراثیم کے ذریعے غیر اخلاقی جنگ کا آغاز کرنا ایک ایسی طویل اور ہولناک داستان ہے جس کی تفصیلات پڑھ کر دل کانپ کانپ جاتا ہے۔ اِس سارے عرصے میں امریکہ کے مادی تفوّق کے باوجود کوریا اور چینی افواج نے انسانی جانوں کی قربانی دے کر امریکہ اور اتحادی افواج کو عبرت ناک شکستیں دیں لیکن اس کے لئے جو جان و مال اور عزّت کی قربانی انہیں دینی پڑی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شہری آبادی نے جو مصائب اور تکالیف برداشت کیں اُن کا اندازہ کرنا بھی محال ہے۔

کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں، اس کا قیاس اِس امر سے ہو سکتا ہے کہ سرکاری اندازے کے مطابق اقوامِ متحدہ کی افواج کے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار پانچ سو پانچ سپاہی اور افسر مارے گئے' دو لاکھ چونسٹھ ہزار پانچ سو اکاسی زخمی ـــــ بانوے ہزار نو سو ستاسی قیدی۔ یعنی کُل چار لاکھ سینتیس ہزار نو سو چھیانوے افسروں اور سپاہیوں کی Casualties ہوئیں۔ اشتراکی افواج کے بیس لاکھ سپاہی اور افسر مارے گئے جن میں ساٹھ فی صدی چینی تھے ـــــ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ میں کسی ایک روسی کا بھی ذکر نہیں آیا جو کام آیا ہو۔ صرف شمالی کوریا کی شہری آبادی کے مرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ تھی۔ گویا شمالی کوریا کی مجموعی بیاسی لاکھ پچاس ہزار کی آبادی میں سے چینی سپاہیوں اور افسروں کو نکال کر اٹھتیس لاکھ لوگ جنگ میں کام آئے۔ اگر دوسری وجوہات مثلاً بھوک اور بیماری وغیرہ سے مرنے والوں کی تعداد کو شامل کر لیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ پچاس فیصدی آبادی جنگ میں کام آگئی۔ یہ ایسی خوفناک شرحِ اموات ہے کہ جو غالباً تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ میں ہندوستان کے بیس کروڑ اور پاکستان کے پانچ کروڑ باشندے کام آئے۔ اقتصادی، صنعتی اور تعلیمی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ تقریباً ساری آبادی خانہ بدوش بن کر رہ گئی۔ بھائی بھائی سے بچھڑ گیا اور مائیں بچوں سے جُدا ہو گئیں اور زمین وہاں کے رہنے والوں پر تنگ ہو گئی۔ یہاں تک کہ سب چھوٹے بڑے پکار اُٹھے کہ کوریا کی حالت واقعی نازک ہے جولائی ۱۹۵۳ء کے بعد سے بظاہر اب جنگ کی آگ سرد پڑ چکی ہے لیکن سرد جنگ بدستور جاری ہے اور شمالی اور جنوبی کوریا چین اور امریکہ کے دو فوجی کیمپ بنے ہوئے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ کوریا کا ملک اور وہاں کے عوام امن میں ہیں......!

حرفِ آخر

بالآخر اِن الفاظ کے ساتھ اِس اقتداری پیشگوئی کے اس ہیبت ناک ظہور کی داستان ختم کرتا ہوں کہ یہ ایک ایسا عظیم الشان، جلالی اور واضح نشان ہے جسے دیکھ کر کوئی شریف النفس انسان اِس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے جو اَب بھی بولتا اور اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا ہے۔ اور کیا امریکہ اور کیا جاپان، کیا چین اور کیا کوریا سب اس کے قبضۂ قدرت میں ایک حقیر ذرّے کی طرح ہیں۔ وہ زندہ اور غیور خدا اپنے زندہ دین اور اپنے زندہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اب بھی نشانات کی

بارش برسا رہا ہے۔ اور اپنی قائم کردہ جماعت اور اپنے قائم کردہ خلیفۂ وقت کی خاطر اب بھی اپنا چہرہ جلال کے ساتھ دکھانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جماعت اور اس کی قائم کردہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے شایانِ شان عمل کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنے فضل سے ہر آن اور ہر لحظہ صدق دل سے یکسجان ہو کر دینِ حق کے لئے ساری دنیا میں کامیاب جدّوجہد کے لئے کماحقہٗ مالی قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے۔ ستاری فرماتے ہوئے محض اپنے فضل سے ہمارا حشر ان مقدسین کے ساتھ کرے جن کی محبت کا دعویٰ ہم نے زبان سے کیا اور جن کے صدق پر زمین و آسمان نے گواہی دی ـــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ ؕ

مامورمن اللہ کی صداقت کا بڑا نشان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

”راستباز اور مامور من اللہ کی صداقت کا بڑا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو غیب کی خبریں دیتا ہے اور پھر ان خبروں میں ایک طاقت ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں دی جاتی۔ نجومی جو خبریں دیتا ہے اُن میں وہ طاقت اور جبروت نہیں ہوتی جو مامور کی خبروں میں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں مامور کی خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ فراست اور قیافہ پر اُن کی بنا نہیں ہو سکتی۔“

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۱۳۶)

خصوصیات و برکاتِ خلافت

(مکرّم پروفیسر بشارت الرّحمٰن صاحب ایم۔اے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ خلافتِ راشدہ اسلامیہ کا ذکر فرمایا ہے مگر سب سے مفصل ذکر سورۂ نور میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(سورۃ نور ع ۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو سچا ایمان لائے ہیں اور جو اپنے ایمان اور موقع اور محل کے مطابق اعمال بھی بجا لاتے ہیں کہ وہ ضرور ان کے درمیان زمین میں اپنے خلفاء قائم کرے گا جس طرح کہ اُس نے اُن لوگوں میں خلافت کو قائم کیا تھا جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ ضرور اُن خلفاء کے لئے اُن کے اُس دین کو جسے وہ اُن کے لئے پسند کر چکا مضبوطی اور تمکنت عطا فرمائے گا اور ضرور اُن کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ خلفاء صرف میری ہی پرستش کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو شخص اس کے بعد اُن کا انکار کریگا تو وہی لوگ پکے فاسق شمار کئے جائیں گے (تو اے مسلمانو! تم خلافت کی برکات سے فائدہ اُٹھاؤ) اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اِس آیت کو آیتِ استخلاف کہا جاتا ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافتِ راشدہ اسلامیہ کے قیام کا وعدہ دیا ہے اور متعدد برکاتِ خلافت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ برکاتِ خلافتِ راشدہ اسلامیہ کی مخصوص نشانیاں بھی قرار دی جاسکتی ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا آیتِ استخلاف میں مسلمانوں کے درمیان قیامِ خلافت کی پیشگوئی

نہیں کی گئی بلکہ ایک مشروط وعدہ انعام کا کیا گیا ہے۔ مثلاً یوں سمجھ لیں کہ خلافت ایک طلائی تمغہ ہے جو اُمتِ مُسلمہ کو بطور انعام دیا جائے گا اور اس انعام کے سلسلہ میں مومنوں کے لئے اعلیٰ ترین معیارِ قابلیت و کارکردگی شرط ہے۔ سو خلافت مشروط ہے سچے ایمان اور یقین کے ساتھ یعنی سچا اور کامل ایمان ایمانیات کے تمام اجزاء پر اور بالخصوص اہمیت و افادیت خلافت پر۔ اسی طرح سے یہ انعام مشروط ہے اُن نیک اعمال کے ساتھ جو ایمان سے بھی مطابقت رکھیں اور موقع اور محل سے بھی۔ بالخصوص ایسے اعمال جو نظامِ خلافت کے قیام و دوام کے لئے ضروری ہوں۔

قرونِ اولیٰ میں ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اوّلاً خلافتِ راشدہ سے نوازا اور پھر جب مسلمان بعض کوتاہیوں کے مرتکب ہوئے تو خلافت راشدہ متصلہ بعد از نبوت ختم ہوگئی اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت وقتاً فوقتاً ظاہر ہونے والے اولیائے امت اور مختلف اوقات میں تجدیدِ دین کا فریضہ ادا کرنے والے وجودوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ اس طرح مسلمان بحیثیت اُمّتِ واحدہ خلافتِ راشدہ کی وحدت کے عظیم انعام سے محروم ہو گئے۔ خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوت اُس آسمانی بادشاہت کا نام ہے جس میں تمام روحانی افواج ایک ہی کمانڈر انچیف کی زیرِ قیادت ہوتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ اُمت شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے خلافتِ راشدہ کے انعام سے محروم ہو جائے تو اسلام کی روحانی جنگ تو پھر بھی جاری رہتی ہے مگر وہ ایک لحاظ سے گوریلا جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی کمانڈرز اُن اولیاء الرحمٰن کی صورت میں کھڑا کرتا رہتا ہے جو اپنے اپنے مخصوص وقت اور مخصوص علاقے میں مومنوں کو اپنے گرد جمع کرکے الٰہی منشاء کے ماتحت اپنے اپنے رنگ میں اسلام کی علمی و روحانی جنگ لڑتے چلے جاتے ہیں۔

حدیث نبوی اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کی رُو سے دین کی تجدید کرنے والے صدی کے سر پر ضرور کھڑے کئے جاتے ہیں لیکن اگر امت آیتِ استخلاف کے مطابق خلافتِ راشدہ کے انعام سے بہرہ ور ہو تو پھر خلیفۂ وقت ہی اپنے زمانہ کا مجدّد ہوتا ہے اور پوری اُمت کو وحدت کی لڑی میں پرو کر اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں نہایت منظم طریق پر تجدیدِ دین کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔

اب سردست خلافت کی پہلی خصوصیت و برکت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کے درمیان اپنے خلفاء یعنی جانشین قائم کرے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کے جانشین؟ اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ کے رسول کے جانشین۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے وجود پیدا کرے گا جو

مومنوں کی جماعت میں خدا تعالیٰ کے رسول کے قائم مقام اور جانشین ہوں گے۔ گویا خلافت نبی ہی کی قومی زندگی کا نام ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ الوصیت میں قدرتِ ثانیہ کا نام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے دو قدرتیں دکھاتا چلا آیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نبی مجسم قدرت ہوتا ہے۔ وہ قدرت اولیٰ ہوتا ہے اور اس کے بعد قدرتِ ثانیہ ظاہر ہوتی ہے پس خلافت کی پہلی برکت اور خصوصیت تو یہی ہے کہ خلافت کے ذریعے خلیفۂ وقت کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے نبی کا وجود ظلی رنگ میں دیر تک مومنوں کے درمیان قائم رہتا ہے اور دنیا ایک لمبے عرصے تک برکاتِ نبوت و رسالت سے مستفید ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ۔ (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۱۹) یعنی جب کبھی دنیا میں نبوت قائم ہوئی تو اُس کے پیچھے خلافت آئی۔

پس انوارِ نبوت کو دنیا میں لمبے عرصے تک جاری رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ایک حیاتِ ثانیہ یا قومی زندگی عطا کرتا ہے اور اسے قدرتِ ثانیہ یا خلافتِ راشدہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو۔ اِس واسطے رسول کریمؐ نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے۔ اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف اور اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔" (شہادت القرآن صفحہ ۵۸)

قرآن کریم میں اِس امر کو ایک نہایت لطیف تمثیل کے ذریعے بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ (سورۃ نور ع ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کے اظہار کی مخصوص صورت یہ ہے کہ گویا ایک طاقچہ ہو جس میں ایک چراغ جل رہا ہو۔ وہ چراغ ایک چمنی کے اندر ہو۔ اِس آیت میں چراغ سے مراد اللہ تعالیٰ کا نور ہے جس کے ذریعے سے دو عالم میں اُجالا ہو جاتا ہے۔ چمنی سے مراد نبوت ہے

جس کے ذریعے سے خدائی نور نہایت چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ طاقچے سے مراد وہ ریفلکٹر ہے جو چراغ نبوت کے پیچھے لگایا جاتا ہے یعنی خلافت جس طرح بیڑیوں میں ریفلکٹروں کے ذریعہ سے روشنی کو بہت دور پھینکا جا سکتا ہے اسی طرح سے خلافت کے ریفلکٹر کے ذریعے سے نورِ نبوت کو بہت لمبے زمانے تک ممتد کیا جاتا ہے۔

پس خلافت کی ایک عظیم برکت و خصوصیت یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے نبی کا وجود ظلی طور پر اپنے تمام انوار و برکات کے ساتھ جماعتِ مومنین کے درمیان قائم و دائم رکھا جاتا ہے اور دنیا لمبے عرصے تک انوارِ نبوت سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔

خلفاءِ راشدین کے فرائض و کام وہی ہوتے ہیں جو اُن کے نبی متبوع کے ہیں ـــــ یعنی تلاوتِ آیات اللہ، تعلیم کتاب و حکمت و تزکیۂ نفوس و استحکامِ دین و ملت۔ مگر جس طرح نبی کے زمانے میں باوجود نزولِ وحی الٰہی کے مومنوں کو ایک اُسوۂ حسنہ کی ضرورت ہوتی ہے تا اس کی پیروی کر کے وہ کامیابی سے منشاءِ احکامِ الٰہی کو پورا کر سکیں اور یہ اُسوۂ حسنہ انہیں نبی کی ذات میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کی وفات کے بعد بھی علاوہ نبی کے اُسوۂ حسنہ کے وہ ایک زندہ اُسوۂ حسنہ کے بھی محتاج ہوتے ہیں تا بدلے ہوئے حالات میں منشاءِ الٰہی کو کما حقہٗ پورا کر سکیں۔ یہ اُسوۂ حسنہ اُن کو خلفاءِ راشدین کے وجود میں ملتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔

یعنی اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ تم میرے قائم کردہ طریق پر گامزن ہو جاؤ۔ اسی طرح تم پر یہ بھی فرض ہے کہ تم خلفاءِ راشدین کے طریقِ عمل کو بھی اپناؤ جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی کی جاتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات میں مومنوں کو ایک زندہ اُسوۂ حسنہ کی ضرورت ہوتی ہے کسی خود ساختہ مصلح کی نہیں بلکہ کسی ایسے امام و مصلح کی جو الٰہی ہدایت پر قائم ہونے کی مُہر اپنے اُوپر رکھتا ہو۔ تا اُس کے طریقِ عمل پر گامزن ہو کر اور اُس کے احکام کی پیروی کر کے مومن مقامِ فلاح کو حاصل کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نبی کو صدیوں لمبے یا ہزاروں سال پر پھیلے ہوئے زمانے کی اصلاح و تربیت و دعوت الی الحق کے لئے مبعوث کرتا ہے مگر انسان ہونے کی حیثیت میں اس کی زندگی بہر حال عارضی اور مختصر ہوتی ہے۔ سو اس کا تدارک خلافت کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ یعنی شمسِ نبوت کے جسمانی طور پر غروب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اقمارِ خلافت پڑھاتا چلا جاتا ہے جو شمسِ نبوت سے روشنی حاصل کر کے

اپنے اپنے زمانے میں دُنیا کو منور کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے نبیٔ متبوع کے ہی فرزندانِ جلیل ہوتے ہیں اور اسی کے شاگرد اور متبع۔ اسی لئے خلفاء کے تمام کام درحقیقت نبیٔ متبوع کے کارنامے ہی شمار کئے جاتے ہیں ؎

شاگرد نے جو پایا استاد کی دولت ہے
احمدؑ کو محمدؐ سے تم کیسے جدا سمجھے

ظاہری نظامِ دُنیوی میں بھی ہمیں بعینہٖ یہی نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ آفتابِ نہار کے غروب ہونے پر ماہتابِ لیل اُس کی خلافت کرتا ہے؛ آفتاب سے روشنی حاصل کرکے دنیا پر پھینکتا ہے اور اندھیروں کو اُجالے میں تبدیل کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق کہ ثُمَّ تَکُوْنُ الْخِلَافَۃُ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ کہ ملک جبریہ کے بعد پھر آخری زمانے میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے طفیل ہم پر اتمامِ خلافت بڑھاتا چلا آرہا ہے اور اِس وقت تیسرا قمر ہم پر ضوفگن ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے ٹھنڈے سائے کو صحت وعافیت وخدمتِ دین سے بھرپور زندگی کے ساتھ لمبے سے لمبے عرصہ تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ اٰمین ثمّ اٰمین وبرحمتك یا ارحم الراحمین ٭

حقیقی نیکی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوعِ انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لئے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔“ (الحکم ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

محبّتِ الٰہی کے کرشمے

(۱)

(مکرم اخوند فیاض احمد صاحب - لاہور)

آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل ایک فرستادہ اللہ تعالیٰ کی محبّت کے جوش میں بلا تامّل اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے ایک بندے کی محبّت کے اس عظیم الشان مظاہرہ کو تمام بنی نوعِ انسان کے لئے تا قیامت ایک نہ مٹنے والی یادگار کے طور پر قائم فرما دیا۔

سیّدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ وہ بچّہ کو ذبح کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ بچّہ کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ آئیں تاکہ وہ کلّی طور پر خدمتِ دین میں لگ جائے گویا دنیوی لحاظ سے اُسے قربان کر دیا گیا - یہ ایک پیشگوئی تھی جو رؤیا میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائی گئی مگر حضرت ابراہیمؑ نے **وفورِ محبّت** میں بیٹے کو خدا کے لئے ذبح کرنا چاہا" (خطبہ عید الاضحیٰ بحوالہ الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۶۷ء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی عظیم الشان جذبۂ محبتِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک حالیہ خطبہ میں، تعمیرِ خانہ کعبہ کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے، فرماتے ہیں :-

"مَقَامِ اِبْرٰھِیْمَ کے الفاظ میں یہ بتایا کہ وہ عبادت جو **محبّت** اور ایثار کی بنیادوں پر استوار کی جاتی ہے، اس عبادت کا یہ مرکزی نقطہ ہو گا" (الفضل مؤرخہ ۳۰-۴-۶۷)

غرض وہ بچّہ جو خاص الٰہی بشارت کے ماتحت پیدا ہوا تھا یقیناً وہ دنیا میں کوئی عظیم الشان کام کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ "وفورِ محبّت" میں خدا تعالیٰ کے لئے اُس بچّہ کو بلا تامّل قربان کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالآخر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کو وادیٔ

غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا تاکہ وہ اور اُن کی تمام نسل مکّہ کو آباد رکھتی چلی جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ظہور میں آ گئے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جذبۂ محبت و قربانی جو ابتداء میں ظاہر ہوا' ایک مہمیز کے طور پر آپ کی اولاد و نسل کے لئے ہمیشہ قائم رہا۔ جس کے نتیجہ میں وہ نسل اڑھائی ہزار سال تک مسلسل قربانیاں کرتی چلی گئی اور اُس نے مکّہ کو آباد رکھا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے آخری نجات دہندہ بنا کر بھیجا۔

یہ حقیقت ہے کہ محبت کے جوش میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ عام لوگوں کی قوت و استعداد سے کہیں بڑھ کر اور سوسائٹی یا معاشرہ کے عام اصولوں اور روایات سے بالکل انوکھی اور نرالی ہوتی ہے سطحی خیالات کے لوگ تو ایسی قربانیوں کو پاگل پن یا جنون کا نتیجہ قرار دینے لگ جائیں گے لیکن اگر صفحۂ دُنیا پر پاک نفوس" وفورِ محبت" میں اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کے کسی پیارے کی خاطر خاص خاص قربانیاں نہ کرتے تو انسانیت کی تاریخ آج کی تاریخ سے کہیں مختلف ہوتی۔ بلکہ رُوئے زمین پر کہیں تہذیب و انسانیت کا نام بھی نظر نہ آتا۔

اس ضمن میں یہ عاجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے واقعات میں سے بعض کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

آنحضرتؐ کا اُسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کا نمونہ

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں اپنی اولاد و نسل کی قربانی کا عظیم الشان نمونہ قائم فرمایا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس محبت و احسان کے سلوک کی آپؑ کو اُمید تھی۔ اُس کے پیشِ نظر آپؑ نے اپنی ذات، حضرت اسماعیلؑ اور آئندہ نسل کیلئے دعاؤں میں مکّہ کو آباد رکھنے والے تمام مومن افراد کو بھی شامل فرمایا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے لئے فدائیت نہ صرف اپنی ذات اور اپنے اہل کی قربانیوں پر مشتمل ہے بلکہ اس فدائیت میں آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کی بدولت آپؐ کے اصحابؓ اور تا قیامت آپؐ کی روحانی اولاد بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ آنحضرتؐ کا وجود تمام عالمِ انسانیت کی رُوحانی بقاء اور ترقی و استحکام کی خاطر فنا کے انتہائی مقام تک پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

دراصل بندگانِ حق کے اعمال اگرچہ بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتے ہیں لیکن دُنیا میں اُن کا نتیجہ بنی نوع انسان کی رُوحانی اقدار اور تہذیب و شرافت کی ترقی و استحکام کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔ پس دوسرے الفاظ میں بندگانِ حق کی قربانیاں خالق و مخلوق دونوں کی محبت کے جذبہ پر مبنی ہوتی ہیں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کی محبت کی راہ میں اپنی ذات کو اس حد تک فنا کے مقام پر لے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :-

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (النجم ع)

ترجمہ - اور وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کے اضطراب کو دیکھ کر اور اُن پر رحم کر کے خدا سے ملنے کے لئے) اُس کے قریب ہوئے اور وہ (یعنی خدا) بھی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں) اُوپر سے نیچے آگیا۔ اور وہ دونوں دو کمانوں کے متحدہ وتر کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ اور رہ ہوتے ہوتے اس سے بھی زیادہ قرب کی شکل اختیار کر لی۔

مختصر تفسیر - یعنی انسانوں کی حالت کو دیکھ کر اور دنیا پر رحم کھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملنے کے لئے رُوحانی طور پر اُوپر چڑھنا شروع کیا، جس پر خدا تعالیٰ کی محبّت میں جوش آیا اور اللہ تعالیٰ بھی نیچے اُترنے لگا تاکہ محمّدیت کے نقطہ سے مل جائے۔ اور دونوں آپس میں اس طرح متحد ہو گئے جس طرح دو کمانوں کو جوڑ کر تیر چلایا جاتے یعنی اس طرح کہ جس پر ایک کمان کا تیر پڑے دوسری کا بھی پڑے۔ دو کمان اس لئے کہا ہے کہ دو کمان کا چلہ سخت ہو جاتا ہے اور تیر زور سے پڑتا ہے۔" (بحوالہ تفسیر صغیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی معزز ترین قوم قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم کے سردار عبد المطلب کی اولاد تھے۔ جوان ہونے پر آپؐ کی شادی مکہ کی متموّل ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ لیکن آپؐ نے اس وجاہت و دولت سے کچھ سروکار نہ رکھا بلکہ ایک موقع پر اہلِ مکّہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں آپؐ زیادہ دولت و اقتدار کے خواہشمند نہ ہوں آپؐ کو اپنا بادشاہ بنانے کی پیشکش کی بشرطیکہ آپؐ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں۔ لیکن آپؐ نے اس پیشکش کو اللہ تعالیٰ اور رُوحانیت و تہذیب کے وسیع تر مقاصد کی خاطر بلا تامل ٹھکرا دیا۔ آپؐ جانتے تھے کہ اس کے بعد اہلِ مکّہ اور اہلِ دنیا کی طرف سے ظلم و بربریت کا ایک مہیب طوفان اُمڈنے والا تھا، نہ صرف آپؐ کی ذات کے خلاف بلکہ آپؐ کے متبعین یعنی اولاد کے خلاف بھی، لیکن آپؐ نے بلا پس و پیش اس قربانی کی راہ کو اختیار کیا جس کے نتیجہ میں ایک نہیں، دو نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں آپؐ کے قریبی عزیز اور روحانی فرزند ظلم کی چھری سے ذبح کئے گئے۔ دنیا کی تاریخ میں نہ پہلے کبھی ایسی قربانی ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مرد بیٹا عطا نہ کیا

لیکن وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرما کر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے ہر فرد کے لئے نہ صرف اپنے زمانۂ حیات میں بلکہ قیامت تک کے لئے حقیقی باپ سے زیادہ مہربان، شفیق اور محسن وجود بنا دیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (یونس ع ۱۶)

ترجمہ۔ (اے مومنو!) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے۔ تمہارا تکلیف میں پڑنا اُس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور (بہت) کرم کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا:۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ (الاحزاب ع)

یعنی آنحضرتؐ کا وجود تمام مومنوں سے اُن کی اپنی جانوں کی نسبت سے بھی زیادہ قریب (یعنی بدرجہ باپ) ہے اور آپؐ کی ازواجؓ مومنوں کی مائیں ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہؓ کے اور قیامت تک تمام مومنوں کے باپ ہیں اس لئے جب اللہ تعالیٰ کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء اور ارشاد کے ماتحت صحابہؓ یا جماعت مومنین بڑھ بڑھ کر قربانی پیش کرتی ہے تو وہ آنحضرتؐ کی طرف سے ایک نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں بیٹوں کی قربانی ہوتی ہے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی اور جب تک قائم رہیگی کوئی باپ اتنی بڑی قربانی اللہ تعالیٰ کی خاطر بیٹیاں نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آل محمّدٍ وبارک وسلّم۔

جہاں تک آنحضرتؐ کی بعد از دعویٰ تیرہ سالہ مکی زندگی میں صحابہ کی قربانیوں کا تعلق ہے شاید کوئی ناسمجھ یا مخالف یہ کہدے کہ وہ مجبوری و محکومی کی وجہ سے تھیں اس لئے اُن قربانیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنحضرتؐ کی طرف سے اپنی روحانی اولاد کی رضا کارانہ قربانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ اعتراض سراسر غلط اور بعید از حقیقت ہوگا۔ کیونکہ وہ جلیل القدر صحابہؓ جن کو مکہ کے ظالموں نے ذلیل مجھ کر اذیتیں دیں اور وہ ہماری محبوب وعظیم المرتبت ماں (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) جنہوں نے ناز و نعم میں تمام زندگی گزاری تھی لیکن جنہوں نے آنحضرتؐ کی رفاقت میں "شعب ابی طالب" میں محصور ہونے کی مشقت کے نتیجہ میں بیمار ہو کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی، یہ سب والہانہ و رضاکارانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور بغیر کسی جبر کے اُنہوں نے برضا و رغبت آنحضرتؐ کی اتباع میں مادی زندگی کی راہ کو چھوڑ کر موت کی راہ اختیار کی تھی پس وہ مجبور و محکوم نظر آنیوالے محض چار و ناچار موت اور ظاہری ذلت کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے روحانی باپ کے منشاء اور مشن کو قائم رکھنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی

خاطر ہنسی خوشی موت کے منہ میں قدم بڑھاتے چلے گئے۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔

جبری قربانی اپنے اندر استقلال یا دوام نہیں رکھتی اور جب بھی زبردستی قربان ہونیوالے شخص کو بچنے کی کوئی راہ نظر آئیگی وہ ضرور بچ نکلنے کی کوشش کریگا لیکن مکہ کی پتھریلی زمین پر رواں گھسیٹے جانے والے بلالؓ تپتی ہوئی ریت پر بھاری پتھروں کے نیچے دبائے جانے والے بلالؓ کو جب کفار بتوں کی بزرگی کا اقرار کرنے اور اس عذاب سے نجات پانے کی دعوت دیتے تو وہ عاشقِ صادق دیوانہ وار "اَحَد، اَحَد" کا نعرہ لگاتا۔

مکہ کی ایک محفل میں ایک مسلم جوان کے منہ سے کلمۂ حق نکلنے کی سزا کے طور پر کسی ظالم نے مکہ مار کر اسکی ایک آنکھ ضائع کر دی تو اسکے باپ کے ایک دوست نے ہمدردی سے کہا، کاش وہ اس دوست کی پناہ میں رہتا اور یہ دکھ نہ اٹھاتا۔ تو وہ نوجوان جوش میں آ کر جواب دیتا ہے کہ اُسے پناہ سے کیا غرض اُسکی تو دوسری آنکھ بھی باہر آنے کو تڑپ رہی ہے۔

کیا یہ اور ایسے ہی سینکڑوں دوسرے واقعات اس بات کی زندہ شہادت نہیں ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی جو اگرچہ محکومیت کا دور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی روحانی اولاد یعنی صحابہؓ کی قربانیاں محض مجبوری کی قربانیاں نہیں تھیں بلکہ وہ قربانیاں کامل ایمان اور محبتِ الٰہی کا نتیجہ تھیں؟

لیکن ہجرت کے بعد جب مسلمان کفارِ مکہ کے چنگل سے آزاد تھے اُسوقت انہوں نے آنحضرتؐ کی اتباع میں اجتماعی اور انفرادی طور پر جو قربانیاں کیں کیا اُنکی نظیر تاریخ پیش کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جنگِ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ چاہا اور آپؐ کا منشاء انصار کا ارادہ معلوم کرنے کا تھا، تو ایک انصاری سردار نے عرض کیا کہ وہ آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے، بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑینگے اور دشمن اُن سب کی لاشوں پر سے ہی گزر کر آپ تک پہنچ سکے گا۔ بلکہ اگر آپ حکم دیں گے تو وہ اپنے گھوڑے بے دریغ سمندر میں ڈال دیں گے۔ یہ محض الفاظ ہی نہیں تھے، صرف دعویٰ ہی نہ تھا بلکہ انہوں نے جو کہا بعینہٖ پورا کر دکھایا اور بلا تامل وہ آنحضرتؐ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے جانیں نچھاور کرتے چلے گئے۔ اسلئے انصاری سردار کا یہ کہنا کہ وہ آنحضرتؐ کے ارشاد پر بے دریغ سمندر میں کود پڑنے کو تیار ہیں، بالکل سچ تھا۔ بیشک کوئی عقلمند محض ڈوبنے اور بلا مقصد جان دینے کے لئے سمندر میں نہیں کودے گا اور نہ کسی بلا مقصد قربانی کا آنحضرتؐ کی طرف سے کبھی مطالبہ ہو سکتا تھا لیکن جاں نثار صحابہؓ کی طرف سے ایسی قربانی کی پیشکش تو وفورِ محبت کا نتیجہ تھی۔ اور خدا نے اس مٹھی بھر بے سروسامان جماعت کے جذبۂ قربانی کو ایسا نوازا کہ اُن کو ساز و سامان سے لیس اور آزمودہ کار جنگجوؤں پر مشتمل تین گنا لشکر پر فتح عطا کی۔

اللہ تعالیٰ کی اُن گنت رحمتیں اور برکتیں ہوں اُس باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو خدا کا اشارہ پاتے ہی بلا تامل اپنے تین سو تیرہ فرزندوں کو لیکر میدان بدر کی قربانگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ (باقی صـ۴۷ پر)

اے یورپ کی سرزمین ....

اُٹھ اور اپنے آپ کو اس خوش بختی کا اہل ثابت کر

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آجکل اعلائے کلمۂ اسلام کی غرض سے یورپ کے دورہ پر ہیں حضور ۸ر جولائی کو کراچی سے بذریعہ طیارہ مغربی جرمنی کے شہر فرانکفورٹ پہنچے تھے۔ وہاں سے حضور بعض احمدیہ مشنوں کا معائنہ فرماتے ہوئے ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن تشریف لے جائیں گے جہاں انشاء اللہ العزیز حضور ۲۱ر جولائی کو شمول انگلستان یورپ میں جماعت احمدیہ کی بھٹی مسجد کا افتتاح فرمائیں گے۔

حضور مسجد کا افتتاح فرمانے کے علاوہ ایک اور نہایت اہم مقصد کے پیش نظر وہاں تشریف لے گئے ہیں اور وہ مقصد حضور ایدہ اللہ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔ (حضور نے ۲۳ر جون ۱۹۶۷ء کو خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا) :-

"مَیں درخواست کرتا ہوں آپ سب بھائیوں سے بھی، بہنوں سے بھی، بڑوں سے بھی، چھوٹوں سے بھی کہ ان ایام میں خاص طور پر بہت دعائیں کریں۔ ایک یہ کہ اگر یہ سفر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے اظہار کا موجب بننا ہو اور اسلام کی شوکت اس سے ظاہر ہونی ہو تبھی مجھے اس سفر پہ جانے کی توفیق ملے اور جب مَیں جاؤں تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ وہ پیغام جو حقیقتاً خدا کا پیغام ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف لیکر آئے، جسے دنیا اب بھول چکی تھی اور اب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل کی حیثیت سے دنیا پر ظاہر ہوئے وہ پیغام دنیا کو پہنچایا اور اسی غرض سے آپ کی بعثت ہوئی ——— تو یہ پیغام صحیح طور پر اور ایسے رنگ میں کہ وہ قومیں اس پیغام کو سمجھنے لگیں اُن تک پہنچانا اس سفر کی غرض ہے اور یہی ایک

مقصد ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو ایسے رنگ میں اُن کو پیغام پہنچا دیا جائے کہ اُن پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ کیونکہ جب تک کسی قوم پر اتمامِ حجت نہ ہو وہ انذاری پیشگوئیاں پوری نہیں ہوا کرتیں جو اُن کے انکار کی وجہ سے اُن کے حق میں خدا تعالیٰ نے قبل از وقت اپنے رسول کو دی ہوں۔ پس خدا کرے کہ وہ انذار، وہ تنبیہہ، وہ جھنجھوڑنا میرے لئے ممکن ہو جائے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا پہنچانا صحیح رنگ میں اور موثر طریق پر ممکن ہو جائے تاکہ یا تو وہ اسلام کی طرف مائل ہوں، ایک خدا کو ماننے لگیں، توحید کو پہچاننے لگیں، اللہ تعالیٰ کو ایک اپنی ذات میں اور ایک اپنی صفات میں سمجھنے لگیں جس رنگ میں کہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور یا پھر ایسے رنگ میں ان پر اتمامِ حجت ہو جائے کہ وہ انذاری پیشگوئیاں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور جن کا تعلق تمام منکرینِ اسلام سے ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی ہیں وہ اتمامِ حجت کے بعد ان کے حق میں پوری ہوں تا اسلام اور مذاہبِ عالم کے درمیان جو فیصلہ ہونا مقدر ہے وہ جلد ہو جائے اور دنیا یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے سائے میں آ کر بچ جائے یا خدائی قہر کی تپش میں جا کر ہلاک ہو جائے اور اِس قضیہ کا فیصلہ ہماری زندگی میں ہی ہو جائے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

پھر میں تاکیداً کہتا ہوں کہ اِن دنوں میں دوست دعائیں کریں اِس سفر کے بابرکت ہونے کے لئے، اور اسلام کے غلبہ کے لئے، اور توحیدِ باری کے قیام کے لئے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے ان قوموں پر ظاہر ہونے کیلئے، اور اِس بات کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اصلاح کا موقع دے اور ان پر فضل کرتے ہوئے انہیں اِس بات کی توفیق دے کہ وہ اُسے اور اُس کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے لگیں۔" (الفضل ۲ جولائی ۱۹۶۷ء)

یہ ہے وہ نہایت ہی اہم مقصد جس کی خاطر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ برحق نے خدائی منشاء اور مقدّرات کے تحت یہ طویل سفر اختیار کیا ہے۔ مغرب کی سرزمین آج اس درجہ مادیت میں غرق اور فسق و فجور میں مبتلا ہے کہ وہاں بسنے والی اقوام اللہ تعالیٰ کو یکسر بھول چکی ہیں۔ عیسائیت نے وہاں ایک مُردہ خدا کو پیش کیا اور صدیوں وہاں ایک مُردہ خدا کی پرستش ہوتی رہی چنانچہ اس مُردہ پرستی کے نتیجہ میں وہاں کی اقوام روحانی لحاظ سے قعرِ مذلّت میں گرتی چلی گئیں حتّٰی کہ اب وہ سرے سے خدا کی ہستی کی ہی منکر ہو بیٹھی ہیں۔ وہ اب محض رسماً عیسائی ہیں ورنہ فی الاصل اُن کے دہریہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ان حالات میں وہ اپنی بے انتہا مادی ترقی کے باوجود دن بدن تباہی کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ وہی تباہی ہے جسے محسوس کرتے ہوئے امریکہ کے مشہور عیسائی منادڈاکٹر بلی گراہم کی اہلیہ مسز بلی گراہم نے کہا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ نے آج مغرب کی سرزمین پر جو فسق و فجور اور معصیت سے بھر چکی ہے اپنا عذاب نازل نہ کیا تو پھر اُسے قوم لوط کی بستیوں (سدوم اور عمورہ) سے معذرت کرنا پڑے گی جنہیں اُس نے ایسے ہی گناہوں کی پاداش میں گندھک اور آگ کا عذاب نازل کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

(حوالہ کے لئے دیکھیں "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" بابت نومبر ۱۹۶۲ء و "انصار اللہ" اپریل ۱۹۶۳ء)

مسز بلی گراہم نے تو آج سے چند سال قبل اس آنے والے عذاب کو محسوس کر کے اس سے مغرب میں بسنے والی اقوام کو خبردار کیا ہے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آج سے قریباً ستر سال پیشتر ہی یورپی اقوام کو آنے والے ایک ایسے ہولناک عذاب سے آگاہ فرما چکے ہیں کہ جس میں علاقے کے علاقے زندگی سے اس طرح عاری ہو جائیں گے کہ ان میں کوئی ایک جاندار بھی خواہ وہ انسان ہو یا حیوان، چرند ہو یا پرند یا حشرات الارض میں سے کوئی ایک کیڑا مکوڑا باقی نہ رہے گا۔ بلا استثناء تمام جاندار یکسر صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔ نوعِ انسان کو ایسی ہولناک تباہی سے بچانے کا درد اور جذبہ ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اپنے وطن سے ہزارہا میل دُور یورپ کی سرزمین میں لے گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کے دل میں یہ درد اور یہ جذبہ پیدا کر کے اور اُسے یورپ پہنچا کر یورپ کی سرزمین کو بیدار کرنے اور اسے جھنجھوڑنے کا ایک بار پھر سامان کیا ہے اور اسے موقع دیا ہے کہ وہ آنے والے ہولناک عذاب سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کر کے اس کی ہلاکت خیزی کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

پس اے یورپ کی سرزمین! اس لحاظ سے تو خوش قسمت ہے کہ خدا کا ایک پیارا بندہ جو اس دنیا میں

اس کے بھیجے ہوئے مسیح موعود کا خلیفۂ برحق ہے تجھ کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے ہزارہا میل کی مسافت طے کر کے تیرے پاس آ پہنچا ہے۔ وہ باذنِ الٰہی اپنے قدومِ میمنت لزوم سے تجھے برکت بخش رہا ہے اور بتوفیقِ الٰہی اس کوشش میں ہے کہ تجھے خدا کی امان کے نیچے لا کر آنیوالے عذاب سے محفوظ و مامون بنا دے۔ وہ تجھے پکار پکار کر بیدار کر رہا ہے کہ اے فسق و فجور اور معصیت میں غرق سرزمین، اے خدا کی حکم عدولی اور نافرمانی کا دلیری سے ارتکاب کرنیوالی سرزمین، اے خدا کو یکسر بھول کر اس کی ہستی کا انکار کرنے اور بزعمِ خود اسے نظامِ کائنات سے بے دخل قرار دینے والی سرزمین تو اپنی سرکشی اور گمراہی و ضلالت سے باز آ اور اپنے گناہوں اور سیہ کاریوں سے توبہ کر کے اپنے آپکو خدائے واحد و یگانہ اور قادر و قدوس کی امان کے نیچے لانے کی فکر کر اور یاد رکھ تو خدائے واحد کو پہچانے، اسلام کو قبول کئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دن اور رات درود بھیجے بغیر اللہ تعالیٰ کی امان کے نیچے نہیں آ سکتی۔ اور اگر اب بھی تو بیدار ہونے اور تلافیٔ مافات کرنے کے لئے تیار نہیں تو پھر خدائے قہار و جبار کے غضب سے ڈر جس سے کوئی انسانی تدبیر یا منصوبہ بچا نہیں سکتا۔

لیکن اے یورپ کی سرزمین! تو عند اللہ اس خوش بختی اور خوش نصیبی کی مورد اُسوقت ہی قرار پا سکتی ہے جب تو ذوالقرنین یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خلیفۂ برحق کی آواز پر کان دھرے اور اُس خدائی اِنذار سے فائدہ اُٹھائے جس سے آگاہ کرنے وہ خود تکلیف اٹھا کر تیرے پاس آن پہنچا ہے کیونکہ اُس ذوالقرنین نے جہاں تجھے خدا تعالیٰ کی امان میں آنے کی راہ بتائی تھی وہاں اِس راہ سے رُوگردانی اختیار کرنے اور فسق و فجور میں مبتلا رہنے کی صورت میں خدائی عذاب سے ڈراتے ہوئے سب سے پہلے تجھے ہی مخاطب فرمایا تھا جیسا کہ فرمایا:۔

"اے یورپ تُو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کریگا۔ مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مُدّت تک خاموش رہا اور اسکی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چُپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دُور نہیں۔ مَیں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پُورے ہوتے ......" (حقیقۃ الوحی ص ۲۵۷)

پس اے یورپ کی سرزمین! اب یہ تیرے اختیار میں ہے کہ تُو اگر چاہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس خلیفۂ برحق کی آواز پر کان دھرے اور اس کی باتوں کو دل میں جگہ دیکر اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کی امان کے نیچے لے آئے یا پھر اپنی بے راہ روی اور معصیت میں اَور ترقی کر کے خدائی عذاب کا نشانہ بنے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سفر یورپ کے اس نہایت ہی اہم مقصد کے پیش نظر ہم احمدیوں کا جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو خدائی امان کے نیچے جمع کرنے میں حضور کے دست و بازو بننے کی سعادت بخشی ہے یہ اوّلین فرض ہے کہ ہم ان ایام میں جبکہ حضور ایدہ اللہ یورپ کی سرزمین میں پہنچ کر وہاں بسنے والی اقوام کو بیدار کرنے اور خبردار کرنے کے خدائی مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پوری دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور ایدہ اللہ کی آواز میں اثر پیدا کرے اور یورپ کے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی امان کے نیچے لا جمع کریں یا پھر ان تک اس رنگ میں پیغام حق پہنچ جائے کہ ان پر پوری طرح اتمام حجت ہو جائے تا وہ انذاری پیشگوئیاں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی ہیں وہ ان کے حق میں پوری ہوں تا اسلام اور مذاہب عالم کے درمیان جو فیصلہ ہونا مقدر ہے وہ جلد ہو جائے اور دنیا پر پوری طرح آشکار ہو جائے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

یہ معمولی بات نہیں، اس پر قریب مستقبل میں اسلام کی صداقت اور اس کے غلبہ کے عملی اظہار کا دارومدار ہے۔ اس لئے آجکل ہمارے دن اور ہماری راتیں اسی دعا میں بسر ہونی چاہئیں کہ اے خدا تو اپنے فضل سے یورپ کی آنکھیں کھول اور انہیں قبولِ حق کی اپنی جناب سے توفیق بخش تا وہ بھی خدائی عذاب سے محفوظ رہتے ہوئے خدا کی امان کے نیچے جمع ہو سکیں۔ آمین اللّٰھم آمین ✦

محبتِ الٰہی کے کرشمے

(بقیہ صفحہ ۴۲)

صحابہؓ کی وہ جماعت بظاہر آپؐ کی کُل کائنات تھی اس لئے آپؐ جنگ سے پہلے پوری رات اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہے:-

"اے میرے رب! ساری دنیا کے پردہ پر صرف یہی لوگ تیری عبادت کرنیوالے ہیں، اگر یہ لوگ آج اس لڑائی میں مارے گئے تو تیرا نام لینے والا دنیا میں کون باقی رہے گا؟"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعائیں سنیں اور چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد کفارِ مکہ کی فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔ عرب کے بڑے بڑے سردار مارے جا چکے تھے اور ان مارے جانے والوں میں مکہ کی فوج کا کمانڈر اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی شامل تھا ✦ (باقی)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا بارھواں سالانہ اجتماع

مورخہ ۲۷-۲۸-۲۹ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ربوہ میں منعقد ہوگا

مجالس انصار اللہ کی آگاہی کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے امسال انصار اللہ کے بارھویں مرکزی سالانہ اجتماع کے لئے ۲۷-۲۸-۲۹ اکتوبر ۱۹۶۷ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار کی تاریخیں منظور فرمائی ہیں۔ انصار اللہ کو چاہیئے کہ اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

ماہنامہ انصار اللہ اور دُعائیہ فہرست

گزشتہ ماہ مئی میں ماہنامہ انصار اللہ کے سلسلہ میں نئے خریدار مہیا کرنے والے احباب کے نام دعا کے لئے حضور اقدس کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ حضور اقدس نے ان دوستوں کے لئے دعا فرمائی ـــــ جملہ احبابِ جماعت سے بھی ان کے لئے دُعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے اور ان کی اس خدمت کو جہاں ان کے لئے مزید خدمات کا پیش خیمہ بنائے وہاں دوسرے احباب کو بھی انکے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۔ مکرم مولانا غلام احمد صاحب فرخ مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ حیدر آباد۔
۲۔ " ملک بشیر احمد صاحب انسپکٹر انصار اللہ مرکزیہ۔
۳۔ " میاں محمد سعید صاحب زعیم اعلیٰ مجلس انصار اللہ ملتان شہر۔
۴۔ " چوہدری سراج الدین صاحب زعیم مجلس انصار اللہ جھنگ صدر۔

خاکسار (ملک محمد رفیق)
اسسٹنٹ مینجر ماہنامہ انصار اللہ۔ ربوہ

بیعت سے مراد خدا کو جان سپرد کرنا ہے

مومن کے لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''بیعت سے مراد خدا تعالی کو جان سپرد کرنا ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا تعالی کے ہاتھ بیچ دی ۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا تعالی کی راہ میں چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے ۔ صادق کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتا نقصان اسی کا ہے ۔ جو کاذب ہے ۔ جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالی سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے ، وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے ۔ وہ یاد رکھے بوقت موت کوئی حاکم یا بادشاہ اسے نہ چھڑا سکے گا ۔ اس نے احکم الحکمین کے پاس جانا ہے جو اس سے دریافت کرے گا کہ تو نے میرا پاس کیوں نہیں کیا ؟ اس لئے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو ملك السموات والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے ۔ خدا ھی یہ امر دل میں بٹھائے تو بیٹھ سکتا ہے ۔ سو اس کے لئے دعا بکار ہے ۔ جو شخص اللہ تعالی کی راہ میں صدق سے قدم اٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارق عادت قوت دی جاتی ہے ۔ مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس سے قوت جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر تم میں جذب محبت خدا تعالی کی راہ میں کافی ہو تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھنچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت نہ ہو جاوے ''

(ملفوظات جلد ۷ صفحہ ۲۹ ، ۳۰)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا